www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

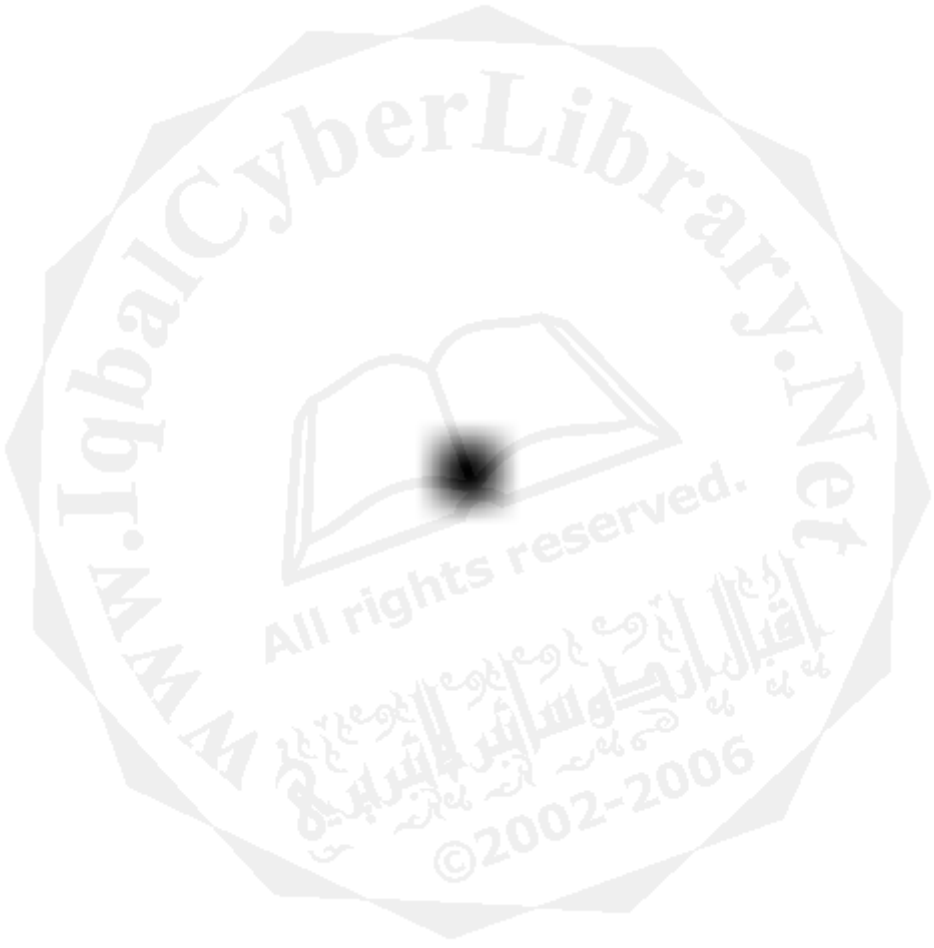

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال اکادمی پاکستان
©2002-2006

# مے لالہ فام

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان لاہور |
| طبع سوم | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/150 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

یہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے 27 مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں انہوں نے اقبال کی فکریات کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے۔ یہ کتاب قبل ازیں دو مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ یہ اس کی تیسری اشاعت ہے جو نئی ترتیب سے شائع ہوئی ہے۔ مصنف نے اس میں چند مضامین کا اضافہ بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال' اقبال کے فکر و فن کے تنقیدی مطالعے پر متعدد کتب لکھ چکے ہیں۔ فرزند اقبال ہونے کی وجہ سے وہ اقبال کے بہت قریب رہے ہیں اس لیے اقبال کے ذہنی و عملی رجحانات سے براہ راست مستفید ہونے کا موقع انہیں نسبتاً" زیادہ ملا ہے جس کا اظہار اس کتاب کے چند مضامین سے بھی ہوتا ہے۔

کتاب کے مضامین کے موضوع متنوع ہیں۔ انہیں چار عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے : فکریات' پاکستانیات' سیاسیات اور شخصیات و اماکن۔ سب سے زیادہ پندرہ مضامین "فکریات" کے تحت ہیں۔ ان مضامین کے بنیادی مباحث تو اقبال کے افکار کی تشریح و تنقید میں ہیں' لیکن مصنف نے اس فکری پس منظر میں دور حاضر کے حالات و واقعات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس طرح کے مضامین میں "اقبال اور نژاد نو"' "اقبال اور نظریاتی بحران"' "اقبال اور ندرت فکر"' "اقبال اور گردش ایام" شامل ہیں۔

"پاکستانیات" کے حوالے سے چار مضامین پاکستان (اور کسی حد تک دنیائے اسلام) کی سیاست کے بعض تلخ حقائق سامنے لاتے ہیں۔ مصنف خود بھی سیاستدان ہیں اس لیے سیاست میں کجی کی وجوہات اور صورتوں کا ادراک رکھتے ہیں۔ افکار اقبال کے حوالے سے وہ ان سیاسی "بے راہ رویوں" کا تجزیہ کر کے ان افکار کو نشان منزل بناتے نظر آتے ہیں۔ "اقبال' پاکستانی قوم پرستی اور بین الاقوامی اسلام" میں اقبال کے تصور قوم پرستی کی تشریح کی گئی ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اقبال کے تصور وطن پرستی کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس مضمون میں ان پر بحث کرتے ہوئے فکر اقبال کے باطن میں جھانکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرے حصے "سیاسیات" میں بھی چار مضامین ہیں۔ ان میں اقبال کے تصور سیاست' اس

کی بنیاد اور اس کے لوازمات واضح کرنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ وطن عزیز کی سیاسی صورت حال کا مطالعہ بھی اقبال کے سیاسی افکار کے پس منظر میں کیا گیا ہے۔

چوتھا حصہ "شخصیات و اماکن" پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی چار مضامین ہیں۔ پہلا مضمون اقبال کے یار دیرینہ "چودھری محمد حسین" پر ہے۔ یہ اقبال کے وہی دوست ہیں جنہیں اقبال نے اپنی وصیت میں اپنی جائداد اور اولاد کا ولی مقرر کیا تھا۔ مصنف انہیں رفیقان اقبال میں درجہ اول پر رکھتے ہیں۔ دوسرے مضمون میں مصنف نے اقبال کو ایک باپ کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ اس مضمون میں ایک شفیق' نرم دل اور اولاد کی تربیت کا خیال رکھنے والا باپ ہی ہمارے سامنے نہیں آتا' اقبال کی نشست و خواند اور عادات و شخصیت کے پہلو بھی اس طرح سمٹ آئے ہیں کہ وہ ہمیں چلتے پھرتے' ہنستے بولتے اور ہم کلام نظر آتے ہیں۔ تیسرا مضمون مصنف کا خطبہ استقبالیہ ہے جو 1986ء میں یوم اقبال کے موقع پر دیا گیا' اور آخری مضمون "کشمیر-- اقبال کی نظر میں" ہے۔

پیش لفظ میں مصنف نے کتاب کی ترتیب کی رو داد بیان کی ہے' اور اختصار کے ساتھ اپنی رو داد زندگی بھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "اقبال نے جاوید کو مخاطب کر کے دراصل تمام نوجوانان ملت سے خطاب کیا ہے۔"

بحیثیت مجموعی کتاب اس قابل ہے کہ کم از کم ایک بار اس کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ مصنف فرزند اقبال ہیں' اس لیے اقبال اور فکر اقبال کی تفہیم نسبتاً زیادہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سیاستدان بھی ہیں' اس لیے ان کے مضامین میں دور حاضر میں مسلم امہ کو درپیش مختلف مسائل کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ مذکورہ خصوصیات کی وجہ سے وہ ایک بار تو قاری کی عقل سلیم پر اثر انداز ہونے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

All rights reserved ©2002-2006

# اساسیات اقبال

مصنف : ڈاکٹر وحید قریشی
ناشر : اقبال اکادمی پاکستان
طبع اول : 1996ء
قیمت : -/150 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

ڈاکٹر وحید قریشی بیک وقت محقق' نقاد' شاعر' ماہر اقبالیات' ماہر تعلیم اور کامیاب منتظم ہیں۔ اقبال اکادمی پاکستان اور بزم اقبال کے ناظم رہ چکے ہیں۔ اب دوسری بار پھر اقبال اکادمی کے ناظم ہیں۔ اپنی گوناگوں انتظامی مصروفیات کے باوجود وہ ادب کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں جو ان کی ادب دوستی کا ثبوت ہے۔ "اقبالیات" ان کا محبوب موضوع ہے جس پر وہ ایک طویل عرصے سے لکھ رہے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں ان کے ایسے ہی وقتاً" فوقتاً" لکھے گئے مقالات اور مضامین جمع کیے گئے ہیں۔

کتاب سات ابواب یا عنوانات میں منقسم ہے جو مجموعی طور پر 18 مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہیں (دو مضامین دو دو حصوں میں ہیں۔ یوں اصل تعداد 16 بنتی ہے)۔ ان میں اقبال کے "تصور سیاست" پر 5، "تصور تعلیم" کے تحت ایک (دو حصوں میں)' "تصور تاریخ" اور تصور فن" پر بھی ایک ایک' "تصور شعر" اور "تصور جہاد" پر دو دو' جبکہ "متفرقات" کے تحت 5 مضامین شامل ہیں۔

کتاب کے اگرچہ سبھی مقالات اور مضامین قابل استفادہ ہیں' لیکن چند ایک اپنے موضوعات اور تفصیلی بحث کی وجہ سے نسبتاً" زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں "مسند خلافت یا مجلس قانون ساز" "اقبال اور نظریہ وطنیت" (دو حصے) اور "اقبال کا تصور تعلیم اور عصری صورت حال" (دو حصے) شامل ہیں جن میں مصنف نے مختلف مسائل حاضرہ کا احاطہ کیا اور فکر اقبال کی روشنی میں ان کا حل بھی پیش کیا ہے۔

ان مضامین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے کہیں بھی مصلح بننے کی کوشش نہیں کی اور غیر محسوس انداز میں فلسفہ اقبال کے اصلاحی پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ ان میں ایک مفصل مقالہ "اقبال کا تصور تعلیم اور عصری صورت حال" اس لحاظ سے بھی انفرادیت کا حامل ہے کہ اس میں پاکستان کی عصری تعلیمی صورت حال کا افکار اقبال کے تناظر میں محاکمہ کیا گیا ہے۔ اقبال کے تصور تعلیم پر دیگر ادیبوں نے بھی لکھا ہے' لیکن وہ اس باب میں اقبال کے تعلیمی تصورات کی

تشریح تک ہی محدود رہے ہیں۔ مصنف نے ان تصورات کا پاکستان کی تعلیمی صورت حال سے نہ صرف تطابق کیا ہے بلکہ اصلاح احوال کے لیے فکر اقبال کی مختلف پرتوں کا بھی الگ الگ جائزہ لیا ہے۔ مصنف چونکہ خود بھی ماہر تعلیم ہیں' اس لیے تعلیمی مسائل کا اوروں سے زیادہ بہتر طور پر ادراک رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ ماہر اقبالیات بھی ہیں' لہٰذا تعلیمی مسائل کے حل کی تلاش میں افکار اقبال کی روح تک پہنچنے کی سعی کرتے ہیں۔ کتاب کے دو دیگر مضامین "علامہ اقبال اور مطالعہ تاریخ" اور "تفہیم اقبال کے لیے فارسی زبان کی اہمیت" بھی اسی قسم کے مضامین ہیں۔

بعض موضوعات پر اگرچہ مستقل کتب موجود ہیں' لیکن اس کتاب کے مضامین میں ان تمام متعلقہ مباحث کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ سمیٹا گیا ہے۔ چند موضوعات ایسے بھی ہیں جن پر اسی کتاب میں مفصل مضامین ملتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی گزشتہ نصف صدی سے میدان تحریر میں سرگرم ہیں۔ اس طویل ریاضت نے ان کی تحریر میں ایجاز و اختصار' سادگی اور موثر اسلوب کی خصوصیات پختہ کر دی ہیں' چنانچہ اس کتاب میں بھی یہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس سے قاری کے لیے مشکل مباحث کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے اور وہ اقبال کے گنجلک خیالات کی تہ تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے' اور یہی منشائے مصنف بھی ہے۔ یہ مضامین اقبال اکادمی پاکستان کے نائب ناظم ڈاکٹر وحید عشرت نے مرتب کیے ہیں اور کتاب کا دیباچہ بھی تحریر کیا ہے۔

All rights reserved. ©2002-2006

## IQBAL'S GULSHAN-I-RAZ-I-JADID AND BANDAGI NAMAH

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | علامہ محمد اقبال |
| مترجم | : | بی۔ اے۔ ڈار |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان لاہور |
| اشاعت | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/75 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

"گلشن راز جدید" اقبال کی معرکہ آراء فارسی مثنوی ہے۔ یہ ان کے فارسی مجموعہ کلام "زبور عجم" میں شامل ہے۔ اس مثنوی میں اقبال نے اپنی فلسفیانہ فکر کے اہم مسائل سے بحث کی ہے اور فہم عام کے لیے ان کی تشریح کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ معروف اقبال شناس بشیر احمد ڈار نے ان کی اسی مثنوی کا اس کتاب میں انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

قبل ازیں اے۔ جے آربری نے "زبور عجم" کا انگریزی ترجمہ کیا تھا جو کم از کم تین بار لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ بشیر احمد ڈار کے مطابق آربری نے محض اقبال کی زبردست صلاحیتوں کو روشناس کرانے سے کام رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے اس ترجمے سے اب "زبور عجم" کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔ مترجم نے ترجمے کے ساتھ حواشی اور تشریحی تعلیقات کا اہتمام بھی کیا ہے جس سے مثنوی کے فلسفیانہ مباحث کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مترجم نے اقبال کے افکار کی اصل روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

افکار اقبال کی عالمی سطح پر اشاعت کے سلسلے میں انگریزی زبان میں ان کی حیات و افکار پر مستقل تصانیف کے علاوہ ان کی تصانیف نثر و نظم کے تراجم کی اشاعت بھی ازحد ضروری ہے۔ فارسی کلام کے تراجم کی ضرورت یوں بھی زیادہ ہے کہ اس میں اقبال کی فکر اور فلسفے کے اصل جوہر اردو کلام کی نسبت بہت نمایاں ہیں۔

یہ کتاب 1964ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کی تھی۔ 32 برس گزرنے کے باوجود چونکہ اس مثنوی کا کوئی اور ترجمہ نہیں ہوا' اس لیے یہ انگریزی ترجمہ غنیمت ہے۔ اس کی اہمیت اور نایابی کے پیش نظر اقبال اکادمی پاکستان نے اس کو دوسری دفعہ شائع کیا ہے۔

## IQBAL AND THE ENGLISH PRESS OF PAKISTAN

| | | |
|---|---|---|
| مرتب | : | ندیم شفیق ملک |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان لاہور |
| طبع اول | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/60 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

اقبال پر ان کی وفات کے بعد سے آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں تنقیدی، تشریحی اور تاثراتی مضامین بھی ہیں اور تحقیقی، تعارفی اور تجزیاتی مطالعے بھی۔ چنانچہ باقاعدہ کتب اور مقالات کے علاوہ رسائل و جرائد کے مضامین بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی حیثیت مستقل ہوتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک ان مضامین کا اشاریہ موجود نہ ہو قاری، محقق یا نقاد کو کسی مضمون کی تلاش میں بیسیوں رسائل کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ اس سے وقت کا ضیاع تو ہوتا ہی ہے اکثر اوقات گوہر مراد بھی ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے علاوہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اقبال پر کہاں کہاں کیا کچھ لکھا گیا ہے، کس نے لکھا ہے، اور کن پہلوؤں پر لکھنے کی گنجائش ابھی موجود ہے، یہ تمام مسائل نہ صرف اقبالیات بلکہ اردو ادب کی ہر صنف کو درپیش ہیں۔ اسی وجہ سے اشاریہ نگاری کو تحقیق کا بنیادی شعبہ تسلیم کیا گیا ہے۔

اردو کے علاوہ دیگر عالمی زبانوں کے اخبارات، رسائل اور جرائد میں بھی اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور ہنوز اس کا سلسلہ زور شور سے جاری ہے۔ ان میں انگریزی زبان سرفہرست ہے جس میں اقبال پر اردو کے بعد سب سے زیادہ لکھا گیا۔ چنانچہ پاکستان کے انگریزی اخبارات نے بھی وقتاً فوقتاً اقبال کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے حالات و افکار پر مضامین شائع کیے۔ یہ کتاب ان میں سے 13 اخبارات کے 416 مضامین کا اشاریہ ہے۔ ان اخبارات میں کراچی کے روزنامے ڈان، دی سندھ آبزرور، دی مارننگ نیوز، دی پاکستان سٹینڈرڈ، دی ٹائمز آف کراچی اور دی سن، ڈھاکہ کے روزنامے دی ڈیلی میل، دی پاکستان آبزرور، دی ہالی ڈے اور دی ینگ پاکستان اور لاہور کے روزنامے دی پاکستان ٹائمز اور دی سول اینڈ ملٹری گزٹ کے علاوہ پشاور کا روزنامہ خیبر میل بھی شامل ہے۔

یہ کتاب جہاں محققین، نقادوں اور قارئین کے لیے حوالے کا کام دے گی، وہیں پاکستان کے انگریزی اخبارات کے ادبی مزاج کو سمجھنے میں بھی معاون ہو گی۔

# لعل ءلقا (بلوچی)

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | غوث بخش صابر |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان لاہور |
| طبع اول | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/125 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

اقبال عالمی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری اور نثری افکار سے دنیا کو' اور خصوصاً" مسلمانان عالم کو متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار و خیالات دنیا کی متعدد بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے ساتھ ان کا گہرا رشتہ ہے۔ انہوں نے ہوش سنبھالا تو ہندوستان کے مسلمان' غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے' اپنی ابتلا اور آزمائش کے بہت کڑے وقت سے گزر رہے تھے۔ ان زنجیروں میں ان کی ذہنی اور عملی قوتیں بھی اسیر ہو چکی تھیں اور مسلمان ایک "مردہ قوم" بن چکے تھے۔ ان حالات میں سرسید' حالی' شبلی' اقبال اور قائد اعظم جیسے عظیم رہنماؤں اور دانشوروں نے مسلمانوں کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے' اپنے اپنے شعبوں میں' ناقابل فراموش عملی و فکری اقدامات کیے۔ اس سلسلے میں حسی' عقلی اور جذباتی سطح پر اقبال نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانان برصغیر کی خفتہ صلاحیتوں اور جذبات کو بیدار کرنا شروع کیا۔ شاعری کے علاوہ اس سلسلے میں قیام پاکستان کا خواب ان کے اسی کردار کا ایک پہلو ہے جس نے مسلمانوں کو ایک ولولہ تازہ سے روشناس کرایا اور انہوں نے عام تر مخالفتوں اور دشمنیوں کے باوجود پاکستان قائم کر کے دکھا دیا۔ اقبال نے اپنی تمام صلاحیتیں اس مردم خیز خطے کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں' چنانچہ ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر فرد تک ان کا پیغام اپنی اصل روح کے ساتھ پہنچا دیا جائے خواہ وہ پاکستان کے کسی بھی حصے کا رہنے والا ہو۔ یہی پیغام' یہی افکار قیام پاکستان کا سبب ہوئے اور تحریک پاکستان کے رہنماؤں اور مسلمانوں میں انہوں نے ناقابل بیان جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ یہ کتاب اسی اہمیت کا اظہار ہے۔

بلوچی' پاکستان کی قدیم زبانوں میں سے ہے۔ اس کا تحریری اور لسانی ادب اس کی درخشندہ روایات کا امین ہے۔ بلوچی زبان میں اس کتاب سے پہلے بھی اقبال کے فکر و فن پر کتب و مقالات لکھے گئے اور تصانیف اقبال کے تراجم ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں اقبالیات کی تین جہتوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اس میں حیات اقبال کے ساتھ ساتھ

ان کے افکار کی تشریح بھی کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے۔ حیات و افکار سے بیک وقت بحث کرنے کی وجہ سے کتاب میں یہ خوبی بھی پیدا ہو گئی ہے کہ قاری اقبال کے فکری ارتقاء سے بھی روشناس ہو جاتا ہے۔ امید ہے یہ کتاب بلوچی زبان میں اقبال شناسی کے ضمن میں ایک خوشگوار اضافہ ہو گی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# فلسفہ ایران۔ اقبال کی نظر میں

مصنف : محمد شریف بقا
ناشر : اقبال اکادمی پاکستان لاہور
طبع اول : 1996ء
قیمت : -/100 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

ایران کو دنیا کی قدیم متمدن اقوام میں اپنی شاندار روایات کے باعث امتیاز حاصل تھا۔ ان روایات میں اصول شہنشاہی اور بہادری کی داستانیں تو تھیں ہی' اہم ترین روایت اس کے دانشور اور ان کا فلسفہ تھا۔ مسلمانوں نے ایران کی عظیم سلطنت کو تسخیر کیا تو ان روایات میں انقلابی تبدیلیاں آئیں اور ان میں اسلامی رنگ غالب آ گیا۔ ایران میں اسلام کی آمد کے بعد اس کے فلسفیانہ افکار میں اسلامی روح تو پیدا ہو گئی لیکن چند اسلام دشمنوں نے دانشوری کی آڑ میں اسے سبوتاژ کرنے کے لیے اس میں غیر اسلامی فلسفیانہ افکار کی آمیزش کر دی۔ اس سے اسلام دشمنوں کا مقصد تو پورا نہ ہوا لیکن اسلامی فلسفیانہ افکار کی روح ضرور مجروح ہو گئی۔ یہی صورت حال تھی جس کا ادراک کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء" کا موضوع چنا۔ اپنے مقالے میں انہوں نے ظہور اسلام سے قبل اور بعد کے ایرانی فلسفے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال کے اس مقالے کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں بھی اس مقالے کے اکثر حصوں کا اردو میں ترجمہ اور ان کی تشریح کی گئی ہے۔

کتاب کو 9 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں علامہ اقبال کے مقالے سے "کتاب کا انتساب" اور باب دوم میں "دیباچہ" کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے تفصیل سے اقبال کے بیانات اور تحریر کا پس منظر اور پیش منظر واضح کیا ہے۔ اگلے چھ ابواب میں مذکورہ مقالے کے چھ ابواب کا بھی ترجمہ اور تجزیہ کیا گیا ہے۔ مقالے کے ان ابواب کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: (1) ایرانی ثنویت (2) ایران کے نوافلاطونی متبعین ارسطو (3) اسلام میں عقل پرستی کا عروج و زوال (4) تصوریت اور حقیقت پرستی کی بحث (5) تصوف (6) دور آخر کا ایرانی فلسفہ۔ آخری باب میں "خاتمے" پر بحث کی گئی ہے اور اس میں علامہ نے ایرانی فلسفے کے جن اہم امور و مسائل کو بیان کیا تھا' مصنف نے ان کے علمی نتائج اس باب میں تحریر کیے ہیں۔

"پیش لفظ" میں مصنف نے بتایا ہے کہ انہوں نے ترجمے کو حتی الامکان آسان فہم اور

سادہ بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری کا ذہن دقیق فلسفیانہ مباحث میں الجھ کر نہ رہ جائے اور اقبال ان مباحث میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' وہ قاری کی سمجھ میں آسانی سے آ جائے۔ التزام یہ کیا گیا ہے کہ مقالہ مذکور سے اقتباس منتخب کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ پھر اس کی تشریح کی گئی ہے اور اقتباس کا سیاق و سباق اور پس منظر واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ طریقہ یقیناً سود مند ہے اور اقبال کے اس اہم تحقیقی مقالے کے دیگر تراجم کی نسبت قاری اس کتاب کے ذریعے اس مقالے کے مباحث کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# تحقیق اقبالیات کے ماخذ

مصنف : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
ناشر : اقبال اکادمی پاکستان لاہور
طبع اول : 1996ء
قیمت : -/60 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا نام اس وقت صف اول کے محققین اور ماہرین اقبالیات میں شمار ہوتا ہے اور محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے اقبالیاتی ادب کے سال بہ سال جائزے کی روایت قائم کی اور اسے بڑی کامیابی سے نبھا رہے ہیں' اگرچہ نامساعد حالات کی وجہ سے اس میں مشکلات بھی پیش آتی ہیں اور اکثر خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اقبالیاتی ادب کی تحقیق کے ضمن میں بہت اہم ہے۔ اسے اقبال کا مختصر اشاریہ کہا جا سکتا ہے۔ اشاریہ تحقیق کی ایک اہم شاخ ہے اور کسی بھی موضوع پر تحقیق و تنقید کے لیے بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا اصل میدان تحقیق بھی اشاریہ سازی ہے۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ بھی اس سے ملتا جلتا تھا اور ان کی دو کتابیں "کتابیات اقبال" اور "علامہ اقبال" (منتخب کتابیات) بھی اسی ذیل میں آتی ہیں' اور سال بہ سال جائزوں کو بھی اشاریہ سازی میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ گویا وہ محققین اقبال کے لیے (اور نقادان اقبال کے لیے بھی) بنیادی معلومات فراہم کرنے کا اہم کام کر رہے ہیں۔

یہ اشاریہ اصل میں مصنف کا وہ لیکچر ہے جو انہوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل کے طلبہ کے سامنے دیا اور اب مناسب ترمیم اور اضافوں کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب اصل میں تو اقبالیات میں اعلیٰ سطحی تحقیق و تنقید کرنے والے طلبہ کی راہنمائی کے لیے شائع کی گئی ہے لیکن اس سے اقبالیات کے قاری' نقاد اور محققین بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب سے ایک نظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اقبال پر اب تک کون کون سا اور کیا کیا معیاری اور تحقیقی و تنقیدی کام ہوا ہے۔

اقبال پر اگرچہ اس وقت تک سینکڑوں کتب اور مقالات تحریر ہو چکے ہیں لیکن اس کتاب میں صرف قابل ذکر اور اہم کتابوں اور مضامین کی نشاندہی کی گئی ہے جس سے طلبہ کو مناسب رہنمائی مل سکے' رطب و یابس سے کام نہیں رکھا گیا۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں تصانیف اقبال کی مختلف اشاعتوں

اور مجموعوں سے متعلق معلومات کو درج کیا گیا ہے جو "اقبالیات" میں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دوسرے باب ثانوی ماخذ کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ اقبالیاتی تحقیق و تنقید پر مختلف کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان میں کلام اقبال کے اشاریے، کتب و رجال کی فرہنگیں، تحقیقی مقالات، عمومی کتابیات، رسائل کی فہرستیں اور اشاریے، موضوعاتی فہرستیں، انگریزی کتب و مقالات کی فہرست، سوانحی اشاریے اور متفرق ماخذ شامل ہیں۔

چالیس صفحات کا یہ اشاریہ اہمیت میں اپنے سے کہیں زیادہ ضخیم کتابوں پر سبقت لے جاتا نظر آتا ہے۔ اس سے ہر طالب علم، محقق، نقاد اور قاری کو استفادہ کرنا چاہیے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# فروغ اقبال

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان لاہور |
| طبع اول | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/200 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

اقبالیات کے سلسلے میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کی یہ کتاب ان کی تحقیقی مساعی کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اقبال کی فکر کے بتدریج ارتقاء کو واضح کیا ہے۔

اپنے پیش لفظ میں مصنف نے کتاب کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے کہ 1977ء میں اقبال کی صد سالہ یوم پیدائش کی تقریبات کے سلسلے میں انہیں "اقبال کے فکری و فنی ارتقاء" پر مقالہ لکھنے کی دعوت دی گئی۔ مقالہ تو مکمل ہو گیا لیکن اگلے دس برس تک مختلف وجوہات کی بناء پر اس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ آخر کار 1987ء میں یہ پہلی بار بزم اقبال' لاہور سے شائع ہوا۔ زیر نظر اس کی دوسری اشاعت ہے۔ مصنف نے کتاب کی اشاعت کے وقت اس کا نام بدل کر "عروج اقبال" رکھ دیا تھا۔

کتاب دس ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب میں مختلف عنوانات کے تحت اقبال کے فکر و فن کے ارتقاء کو بیان کیا گیا ہے۔ باب اول "فکری روابط و ماخذ" کو واضح کرتا ہے۔ اس کا آغاز اقبال کے سفر یورپ کے مضمون سے ہوتا ہے۔ گویا مصنف کے نزدیک فکر اقبال کے ارتقاء کا نقطہ آغاز ان کا سفر یورپ تھا۔ اس باب میں مختلف عالمی دانشوروں سے اقبال کی فکری خوشہ چینی کو آٹھ عنوانات کے تحت واضح کیا گیا ہے۔ دوسرا باب اقبال کے نہایت اہم فلسفیانہ نظریے "خودی اور بے خودی" پر مشتمل ہے۔ اس میں اقبال کے نظریہ خودی کا پس منظر اور پیش منظر' دونوں آ گئے ہیں۔ نظریہ خودی کی تفہیم کے لیے اقبال کی نثری تحریروں (خصوصاً خطوط) کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ تیسرے باب میں "اقبال اور گوئٹے" کی فکری مماثلات کو تلاش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب "فن اور فن کار" میں مختلف موضوعات کے تحت اقبال کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ پانچواں باب "فکر اقبال کی امتیازی خصوصیات" واضح کرتا ہے۔ اپنے مباحث کے اعتبار سے یہ دونوں ابواب اہم ہیں۔ ان میں کوشش کی گئی ہے کہ قاری' اقبال کو بطور شاعر اور فلسفی آسانی سے سمجھ سکے۔ چھٹے باب "اقبال اور پاکستان" میں جہاں پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ سمٹ آئی ہے' وہیں اقبال کے سیاسی افکار' رجحانات اور خدمات کا اجمالی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ "اقبال کے اسفار"

کتاب کا ساتواں باب ہے جس اقبال کے مختلف شہروں اور ملکوں کے اسفار کی رو داد بیان کی گئی ہے۔ آٹھواں باب "اقبال کے افکار تازہ" کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے مشمولات میں جدید دور کے بعض اہم رجحانات اور افکار کے بارے میں اقبال کے خیالات اور افکار کی وضاحت کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال رجعت پسند نہیں تھے۔ وہ افکار تازہ سے رہنمائی کو گناہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن اس حد تک کہ یہ افکار روح اسلام اور مرد مومن کے نظریہ خودی کے مخالف نہ ہوں۔ نواں باب غیر ملکی اور غیر مسلم مداح شخصیتوں کی اقبال سے محبت اور عقیدت سامنے لاتا ہے۔ ان مضامین میں اقبال کی عالمی اور ہمہ گیر مقبولیت واضح ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے جس حصے میں دانش و حکمت اور علم و ادب کو پرکھنے والی نگاہیں موجود ہیں، وہاں اقبال کے نام اور مقام سے آشنائی ضرور ہے۔ آخری باب "متفرقات" پر مشتمل ہے جس میں اقبال کے افکار پر مزید تنقید اور تشریح کی گئی ہے۔ آخر میں ایک ضمیمے کے تحت نثر اقبال سے منتخب شذرات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

بحیثیت مجموعی فکر اقبال اور خود اقبال کی تفہیم و تنقید میں یہ کتاب مطالعے اور استفادے کا اچھا مواد فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے داغ کے ایک عام شاگرد سے علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال اور بین الاقوامی شاعر بننے تک اقبال کے فکر و عمل کے ارتقاء کو قاری جیسے خود دیکھتا ہے۔ جو صاحب نظر "اقبال سے آگاہ" ہونا چاہتا ہے، اسے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

All rights reserved ©2002-2006

# IQBAL--A COSMOPOLITAN POET


| | | |
|---|---|---|
| مرتبین | : | ڈاکٹر تصدق حسین راجا۔ قاضی محمد صدیق |
| ناشر | : | اقبال اکادمی پاکستان |
| طبع اول | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/120 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |


اقبال ایک عالم گیر شاعر، مفکر اور دانشور تھے۔ دنیا کی مختلف اور مقبول عام زبانوں میں افکار و اشعار اقبال کی اشاعت ان کی اسی عالم گیر حیثیت کو واضح کرتی ہے۔ انگریزی زبان ان تمام عالمی زبانوں میں سرفہرست ہے جس میں اردو زبان کے بعد اقبال پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے اور ان کے افکار و اشعار کے ترجمے کیے گئے۔ فی زمانہ انگریزی زبان میں اقبال شناسی کی ضرورت اور اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے، اور زیر نظر کتاب غالباً اسی ضرورت کے تحت شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں مختلف ماہرین اقبالیات کے 18 انگریزی مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ مضمون نگاروں میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین، میاں محمد شفیع (م ش) جگن ناتھ آزاد، ایس اے واحد، سید محبوب مرشد، ڈاکٹر جاوید اقبال (فرزند اقبال) ممتاز حسن، ڈاکٹر ناظر حسن زیدی اور پروفیسر رضی عابدی جیسے معروف نقاد شامل ہیں۔ ان میں سے چند کو اقبال کی رفاقت کا شرف بھی حاصل رہا ہے، چنانچہ م ش نے "اقبال کے آخری 24 گھنٹے" اور کے بی عبدالرحمان خان نے "شاعر اور انسان جیسا کہ میں انہیں جانتا ہوں" میں ذاتی یادداشتوں کے سہارے اقبال سے اپنے تعلقات کو واضح کیا ہے اور ان سے اپنی ملاقاتوں کی تفصیلی بیان کی ہے۔ یہ دو مضامین اس لیے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان سے اقبال کی زندگی کے بعض اہم گوشوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور ہم مضمون نگاروں کی وساطت سے اقبال کے احساسات اور جذبات کا ادراک کر سکتے ہیں۔

یہ مضامین پاکستان کے صف اول کے انگریزی اخبارات سے لیے گئے ہیں۔ ان میں "ڈان" (کراچی) "پاکستان ٹائمز" (لاہور) اور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور) شامل ہیں۔ اس کتاب میں ان مضامین کی اشاعت سے قارئین کو دو طرح کے فوائد حاصل ہوں گے: اول یہ کہ وہ متعلقہ اخبارات کے ضخیم فائل کھنگالنے سے بچ جائیں گے، اور دوسرے یہ کہ اس کتاب میں اہم مضامین ہی کو شامل کیا گیا ہے اور درجہ دوم و سوم کے مضامین کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اس سلسلے میں مواد کو اہمیت دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضمون نگاروں میں معروف ناموں کے ساتھ ساتھ ہمیں چند غیر معروف نام بھی ملتے ہیں جنہوں نے اپنے مضامین میں متعلقہ موضوع کے ساتھ پورا پورا

انصاف کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں چار ضمیمے بھی ہیں۔ ان میں اقبال کی یاد میں سب سے پہلے قائم ہونے والی "مرکزیہ مجلس اقبال" کی طرف سے یوم اقبال منانے کے حوالے سے دستاویزات کے عکس شامل کیے گئے ہیں۔ دو ضمیموں میں مجلس کے دو خطوط اور تیسرے میں "اقبال ڈے" کے بروشر کے عکس، جبکہ چوتھے ضمیمے میں ان 31 موضوعات کی فہرست دی گئی ہے جو مجلس نے ماہرین اقبالیات کو بغرض تحریر روانہ کیے۔ یہ اقبال ڈے 10 اپریل 1939ء کو منایا جانا تھا۔ ان دستاویزات کی مکرر اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کی مقبولیت اور تلاش اقبال کا سلسلہ ان کی وفات سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ان دستاویزات کی اشاعت نے کتاب کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# نقش حق
## (فلسفہ عشق و ایمان)

مصنف : محمد اکبر منیر
ناشر : اقبال اکادمی پاکستان
طبع اول : 1996
قیمت : -/80 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

محمد اکبر منیر اردو اور فارسی کے معروف ادیب، شاعر اور اقبال کے نیاز مند تھے۔ اقبال سے نیاز مندی کا سلسلہ بیس برس تک استوار رہا۔ ممالک اسلامیہ کے مختلف سفر بھی کیے۔ اس دوران میں ان کا اقبال سے رابطہ خطوط کے ذریعے رہا۔ انہوں نے 1942ء میں "نقش حق" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جو رسالہ "پیام اسلام" کے خاص نمبر میں شائع ہوا۔ بعد میں اس کا ضمیمہ بھی شائع کیا۔ اس سلسلے میں ان کی علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی خط و کتاب رہی۔ یہ کتاب ان سب کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ ضروری نوٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ مقالہ فکر اقبال کی توسیع میں لکھا گیا۔ یہ لفظ "عشق" کے وسیع مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش ہے۔

کتاب ایک مقدمے، پانچ فصلوں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مباحث کو پانچ ابواب میں تقسیم کرنے کی ضرورت بقول مصنف اس لیے پیش آئی کہ "تمام مطالب نہایت صاف اور واضح صورت میں سامنے آ جائیں اور فکر و نظر کی الجھنیں پیدا نہ ہوں۔" مقدمے میں "عشق" کی ماہیت اور اصطلاح کی وضاحت تفصیل سے (حوالوں کے ساتھ) کی گئی ہے۔ انہیں مصنف نے "ایمان اور عشق و محبت کے متعلق چند متفرق تمہیدی باتیں" قرار دیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ قرآن میں "عشق" کی جگہ "ایمان" کا لفظ آیا ہے لیکن دونوں کی اصل ایک ہی ہے۔ انہوں نے "عشق" کی تقدیس، پاکیزگی اور بلندی کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو بھی رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ فصل اول "نور ایمان" ہے۔ اس میں چار عنوانات کے تحت بحث سمیٹی گئی ہے: 1- اسلام اور ایمان 2- محبت خدا و محبت رسولؐ 3- مومنوں کے اعمال و خصائل 4- منافقوں کے اعمال و خصائل فصل دوم "آفتاب حقائق" فصل سوم "بزم عشق" اور چوتھی اور پانچویں فصول کا عنوان "شمشیر شہادت" ہے۔ چوتھی فصل میں مشہور اور مستند شعرائے فارسی کے کلام سے جبکہ پانچویں فصل میں درد، غالب، حالی اور قبال کے کلام سے "عشق" کے موضوع پر اشعار درج کیے گئے ہیں۔ مصنف نے اقبال کو اہمیت دیتے ہوئے ان کے فارسی اور

اردو اشعار سے استناد کیا ہے اور ان ابواب میں محض اشعار درج کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ "ایمان کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور عشق کے متعلق شعراء کے اشعار اتنی تعداد میں درج کر دیے ہیں کہ ہر شخص ان کو سمجھ کر اس موضوع کے بارے میں اپنے نتائج خود اخذ کر سکتا ہے۔ میں نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ باغ کے پھولوں اور پھلوں کے اوصاف بیان کرنے میں زیادہ وقت صرف کروں' بلکہ خود باغ کے دروازے کھول دیے ہیں تاکہ اس میں داخل ہو کر ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق نگاہ کو نور' قلب کو سرور اور کام و دہن کو لذت سے بہرہ اندوز کر سکے۔"

ضمیمے میں اولاً" بعد اشاعت' مقالے سے استفادے کا ذکر کیا گیا ہے اور ضمیمے کی وجہ تصنیف ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک تیسرا گروہ ہے جو ابھی تک لفظ "عشق" کے جواز و عدم جواز کی بے معنی و بے سود بحث میں الجھا ہوا ہے۔ یہ مختصر مقالہ اسی گروہ کے لیے لکھا گیا ہے۔" اس میں مولانا سید سلیمان ندوی کے دو اردو اشعار کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی' شاہ ولی اللہ' مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا رومؒ (ملفوظات) کے ارشادات و تحریرات سے لفظ "عشق" کے استعمال کا جواز مہیا کیا گیا ہے۔

"عشق" فلسفیانہ اور صوفیانہ مباحث کا حامل موضوع ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے اس لفظ کے وسیع مفہوم کی تفہیم میں قاری کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اقبال کے تصور عشق کے توسیعی مطالعے پر مشتمل ہے' غالباً" اسی لیے اقبال اکادمی کی طرف سے اس نایاب کتاب کی اشاعت بھی عمل میں آئی ہے۔

○

# غالب کے خطوط (جلد چہارم)

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | ڈاکٹر خلیق انجم |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو کراچی |
| طبع اول | : | 1995ء |
| قیمت | : | -/150 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

یادش بخیر! ڈاکٹر خلیق انجم نے دس برس پہلے غالب کے جملہ اردو خطوط چار جلدوں میں مرتب کیے تھے۔ یہ تحقیقی کام بھارت میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی سے یکے بعد دیگرے شائع ہوا۔ بعد ازاں پاکستان میں انجمن ترقی اردو نے اس کی تین جلدیں شائع کیں۔ زیر تبصرہ اس کی چوتھی جلد ہے جس کی اشاعت سے غالب کے تمام معلومہ خطوط کی تحقیقی تدوین کا یہ کام مکمل صورت میں اب پاکستان میں بھی دستیاب ہو گا۔

چوتھی جلد میں مرتب نے غالب کے جملہ اردو مکتوب الیہم کی فہرست ان کے نام غالب کے خطوط کی تعداد کے ساتھ دی ہے۔ اس کے مطابق غالب کے معلومہ اردو مکتوب الیہم کی تعداد 92 جبکہ غالب کے دستیاب اردو خطوط کی مجموعی تعداد 886 ہے۔ خطوط کی جلد اول میں یہ بتایا گیا تھا کہ چوتھی جلد میں تمام خطوط کے قابل ذکر اشخاص و کتب وغیرہ سے متعلق حواشی "جہان غالب" کے نام سے شامل ہوں گے، لیکن اس جلد کے "حرف آغاز" میں مرتب نے وضاحت کی ہے کہ "جہان غالب" کے حواشی بہت ضخیم ہو گئے تھے اس لیے چوتھی جلد میں صرف جلد اول کے "جہان غالب" کے حواشی شامل کیے جا رہے ہیں۔ یوں اس جلد کے مشمولات غالب کے باقی ماندہ اردو خطوط، ان کے حواشی اور "جہان غالب" کا ایک حصہ ہیں۔ آخر میں کتابیات اور اشاریہ بھی ہے جو ہر علمی و تحقیقی کتاب کا لازمہ ہے۔

"حرف آغاز" میں مرتب نے اردو خطوط غالب کی ترتیب کی روداد بیان کی ہے اور ان مشکلات اور جانکاہی کا ذکر کیا ہے جو اس طرح کے تحقیقی کاموں کا خاصہ ہیں۔ ان کے مطابق خطوط غالب کی یہ ترتیب بیس برس میں انجام کو پہنچی۔

غالب کے خطوط کا یہ ایڈیشن حوالے کے طور پر بھی استعمال ہوتا رہے گا اور غالب کی بے تکلف نثر سے لطف اندوز ہونے والے قارئین کے لیے بھی ناقابل فراموش حیثیت کا حامل ہو گا۔

# زبان واحد

مصنف : میرین پو ٹینو / ترجمہ صفیہ صدیقی (لندن)۔
ناشر : انجمن ترقی اردو کراچی
طبع اول : 1994ء
قیمت : -/100 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

اس کتاب کی مصنفہ جنوبی افریقہ کی سفید فام خاتون ہیں۔ جنوبی افریقہ میں رنگ و نسل کے امتیازات کی ناخوش گوار صورت حال اور پھر اس کے بظاہر خاتمے سے پوری دنیا واقف ہے۔ مصنفہ اگرچہ سفید فام ہیں لیکن سفید فام طبقے کے غیر انسانی رویے اور ذہنیت کی ہم نوا نہیں' بلکہ رنگ و نسل کے امتیازات کے خلاف سرگرم رہی ہیں جس کی پاداش میں انہیں جنوبی افریقہ بھی چھوڑنا پڑا' اور اب وہ مستقلاً برطانیہ میں مقیم ہیں۔ وہ لندن کے قریب رہائش پذیر ہیں اور بالغوں کو انگریزی پڑھانے کے ایک منصوبے کی منتظم ہیں۔ ان کی اکثر شاگرد وہ ایشیائی خواتین ہوتی تھیں جو انگریزی زبان سیکھنا یا اس میں اپنی استعداد بڑھانا چاہتی تھیں۔ تعلیم و تدریس کی وجہ سے ان کا باہمی تعلق اس قدر مضبوط ہوتا کہ وہ ایشیائی خواتین کے ان مسائل سے بھی آگاہ ہو جاتیں جو انہیں وطن سے دور اجنبی ماحول میں پیش آتے۔ مصنفہ اور اس کے مددگار مل کر ان مسائل کو حل کرنے کی عملی کوشش بھی کرتے۔ اس کتاب کی کہانیاں برطانیہ میں انہی ایشیائی تارکین وطن اور ان کے مسائل سے متعلق ہیں۔

ان کہانیوں کے کرداروں میں ایشیا کے مختلف علاقوں کے افراد نظر آتے ہیں۔ ان میں چینی' پرتگیزی اور مشرقی افریقہ سے آئے ہوئے ہندوستانی بھی ہیں اور بنگالی' گجراتی اور پنجابی (پاکستانی اور بھارتی) بھی۔ یوں مصنفہ نے متنوع کردار پیش کر کے ان کے طرز زندگی اور مسائل کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

قاری اگرچہ اس کتاب کو کہانیوں کی کتاب سمجھ کر پڑھے گا لیکن یہ آپ کا' میرا' ہم سب کا مسائل نامہ بھی ہے' اور افسانوی نہیں' حقیقی ہے۔ ہم چاہیں تو ان کہانیوں کو رومانی سمجھ کر وقتی حظ بھی حاصل کر سکتے ہیں' اور دل مانے تو ان کو حقیقی جان کر اپنے فکر و عمل کو نئی راہیں بجھا سکتے ہیں۔

یہ کہانیاں جن مسائل کا احاطہ کرتی ہیں' ان میں ایک بڑا مسئلہ سفید فام برطانوی لوگوں کا ایشیائی باشندوں سے توہین آمیز سلوک ہے جو اکثر اوقات انتہائی ناقابل برداشت ہو جاتا ہے' مصنفہ

نے موقع بہ موقع بڑی خوبصورتی سے اس کی نشاندہی کی ہے..... مصنفہ کا انگریزی سکھانے کا ادارہ ان ایشیائیوں کی جو اخلاقی و عملی مدد کرتا ہے' اس سے یہ صرف ایک ادارہ ہی نہیں رہتا' قاری کے لیے متاثرین کا حساس اور عملی رفیق بھی بن جاتا ہے۔

ان کہانیوں کی ایک خصوصیت دل کو چھو لینے والا احساس ہے۔ قاری خود کو انہی مسائل اور حالات میں گھرے کرداروں کے درمیان محسوس کرتا ہے۔ یہ کمال کہانیوں میں اس لیے پیدا ہوا کہ مصنفہ بذات خود ان کرداروں کے درمیان رہی ہیں۔ انہوں نے ان مسائل کو محض دیکھا ہی نہیں' محسوس بھی کیا ہے اور خود کو ان سے گزارا بھی ہے۔ اس طرح مصنفہ کے انداز میں ایک بے ساختگی پائی جاتی ہے جو حقیقت کے قریب ہے۔ اس میں نمائش یا افسانہ طرازی کا عمل دخل محسوس نہیں ہوتا' اگرچہ خود مصنفہ کا کہنا ہے کہ ان کہانیوں میں کوئی صداقت نہیں' اور انہوں نے اپنے مشاہدات کی مدد سے یہ کہانیاں تخلیق کی ہیں۔ مصنفہ کے یہی مشاہدات ان کہانیوں کی صداقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

عموماً" دوسری زبانوں سے تراجم میں یہ مشکل درپیش ہوتی ہے کہ آیا ترجمہ منشائے مصنف کو کماحقہ' واضح کرتا ہے اور کیا احساس کے ان دریچوں پر دستک دیتا ہے جنہیں مصنف وا کرنا چاہتا ہے۔ اس کتاب کی حد تک کم از کم یہ مشکل دور ہوتی محسوس ہوتی ہے کیونکہ یہ ترجمہ مصنفہ کی نگرانی میں اور ان کے ایماء پر ہوا ہے۔ مصنفہ' اردو کے معروف برطانوی مستشرق رالف رسل کی شاگرد ہیں اور اردو بخوبی سمجھتی' بولتی اور پڑھ لیتی ہیں' اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ اصل انگریزی کتاب میں مصنفہ نے جو خیالات بیان کیے ہیں اور انسانی رویوں اور احساسات کے جو نازک تار و پود بنائے ہیں' یہ اردو ترجمہ اس کا عکس پیش کرتا ہو گا۔

کتاب کے مقدمے میں محمود ہاشمی نے ان کہانیوں یا افسانوں کو رپورتاژ اور مصنفہ کی ڈائری کے اوراق قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کہانیاں حقیقت کے اس قدر قریب ہیں کہ ان پر افسانے کا گمان نہیں ہوتا۔ ان میں سچ کی طاقت کا ایسا اظہار ہے جو اسے بے حد جاندار رپورتاژ بنا دیتا ہے۔

جمیل الدین عالی نے "حرفے چند" میں بتایا ہے کہ اس سے قبل اس کتاب کے جرمن' اطالوی' پنجابی اور بنگلہ زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ خوش آئند ہے کہ بین الاقوامی معیار کی اچھوتی اور احساساتی کہانیوں کا پہلا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے منظرعام پر آیا ہے۔

# انتخاب کلام ناسخ

| | | |
|---|---|---|
| مرتب | : | رشید حسن خاں |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو کراچی |
| طبع اول (پاکستان) | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/120 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

شیخ امام بخش ناسخ کو اردو کا مشکل ترین شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ لکھنؤ کے دبستان شاعری کے سرخیل تسلیم کیے گئے ہیں۔ غالباً انہی اسباب نے ان کی شاعری کو غیر شعوری طور پر ناقابل فہم بنا دیا ہے لیکن یہ کلی حقیقت نہیں۔ ناسخ کے کلام میں بھی موثر، آسان اور زود فہم اشعار ملتے ہیں۔ یہ کتاب اس کا بین ثبوت ہے جس میں ناسخ کے کلام کا نمائندہ انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مرتب رشید حسن خاں، بھارت سے تعلق رکھنے والے، اردو کے معروف محقق ہیں۔ کلاسیکی متون کی تحقیقی تدوین میں انہوں کے انقلابی کارنامے انجام دیے ہیں۔ اس سلسلے میں فسانہ عجائب، باغ و بہار اور مثنوی گلزار نسیم مرتب کر کے شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ انتخاب ناسخ بھی ان کی شعر فہمی اور تنقیدی بصیرت کا ثبوت ہے۔

کتاب کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے دو ابواب ناسخ کی شاعری اور اس کے پس منظر سے متعلق ہیں۔ تیسرا باب ناسخ کی زبان پر ہے۔ اس باب میں ناسخ کی شعری زبان اور لفظیات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ چوتھا باب کتاب کے تحقیقی مباحث میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں "اصلاح زبان اور ناسخ" کے عنوان کے تحت مرتب نے تفصیل، دلائل اور ثبوت کے ساتھ ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے جن کی رو سے ناسخ کو اصلاح زبان کی تحریک کا روح رواں سمجھا جاتا ہے۔ پانچویں باب میں اختصار کے ساتھ ناسخ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ مرتب کے مطابق چونکہ یہ کتاب ناسخ کی شاعری سے متعلق ہے، اس لیے سوانح کے بیان میں قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں کلیات ناسخ کے اس مطبوعہ نسخے کے اغلاط نامے پر بحث کی گئی ہے جس کے مطابق ناسخ کے شاگرد علی اوسط رشک نے ان کا کلیات درست کیا تھا۔ مرتب نے اس شک کا اظہار کیا ہے کہ درستی کی آڑ میں رشک نے کلام ناسخ میں ترمیم کر دی تھی۔ ساتویں باب میں ناسخ کی نمائندہ شاعری کا انتخاب دیا گیا ہے، اور آخری باب میں ناسخ کی اب تک نامطبوع مثنوی "معراج نامہ" کا انتخاب درج کیا گیا ہے جس کا قلمی نسخہ مرتب کے پاس موجود ہے۔

مرتب نے ناسخ کے کلام کے انتخاب میں احتیاط پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ ناسخ جیسے مشکل

پسند شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے اور اودھ کی مخصوص تہذیبی و ثقافتی زندگی کے جیتے جاگتے نمونوں سے واقفیت کے لیے یہ نمائندہ انتخاب بہت اہم ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# غالب کا سائنسی شعور

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | ڈاکٹر حامد علی شاہ |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو کراچی |
| طبع اول | : | 1995ء |
| قیمت | : | -/100 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

غالب پر سب سے پہلا مضمون ان کی وفات کے صرف دو دن بعد لکھا گیا۔ تب سے اب تک غالب کے فکر و فن پر ہزاروں مضامین اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں' اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اگرچہ نقادوں نے غالب کے فکر و فن کے مختلف گوشوں کی اپنے اپنے نقطہ نظر سے تفہیم بیان کی ہے' لیکن غالب اس درجہ متنوع فکر کے حامل شاعر ہیں کہ ہنوز ان کی فکر کے مزید گوشے وا کرنے کا التزام کیا جا رہا ہے۔ انہی میں ایک گوشہ غالب کے سائنسی شعور کے بازیافت سے متعلق ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسے واضح کرنے کی ایک کوشش ہے۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹر حامد علی شاہ ایک معروف سائنس دان ہیں۔ سید محمد تقی کے مطابق "اس کتاب کی تخلیق ایک صف اول کے سائنس دان کے عمر بھر کے ادبی تاثرات' سوچ اور ذوق کے اظہار کا مجموعہ ہے۔" وہ مصنف کو ان چند سائنس دانوں میں شمار کرتے ہیں جنہوں نے اپنے ذوق سلیم کا عملی اظہار کیا۔ ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی کو وہ اس گروہ کا سرخیل لکھتے ہیں۔

جمیل الدین عالی صاحب نے اپنے "حرفے چند" میں کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف تو کرایا ہی ہے' شعور' لاشعور' سائنس اور سائنسی شعور کی مفصل تشریح کر کے قاری کے لیے اس کتاب کی تفہیم کو بھی آسان بنا دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا بڑی حد تک حقیقت ہے کہ بڑا شاعر بڑے سائنس دان سے اور بڑی شاعری سائنس سے فکری مواد و جہات میں برتر ہے۔" انہوں نے تفصیل کے ساتھ انسانی فکر کی ان کاوشوں کا ذکر اور تجزیہ کیا ہے جن کی فکری حیثیت بہرحال مادی سائنس سے برتر ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنے اس نقطہ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب اگرچہ مادی سائنس کے ٹھوس مباحث اور فارمولوں سے آگاہ نہیں تھے اور نہ ہی انہیں مختلف فطری و غیر فطری اشیاء کی ماہیت اور اصل کا سائنسی علم تھا' لیکن ان کی فکر اور ذہن نے جن احساسات اور تاثرات کو شعر کا روپ دیا' اس کی منطقی توجیہات میں سائنسی حقائق آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ کتاب کے پہلے تین ابواب میں مصنف نے غالب سے اپنے "تعلق" کو واضح کیا ہے۔

ان تاثرات سے علم ہوتا ہے کہ مصنف غالب کے اس قدر مداح ہیں کہ انہیں اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے ایک کتاب بھی تصنیف کر ڈالی۔ بہرحال' اگلے تین حصوں میں غالب کے سائنسی شعور کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک حصے میں مصنف نے غالب کے ایک سو منتخب اشعار کی تشریح کر کے غالب کے سائنسی شعور کی نشاندہی کی ہے۔ بعدازاں دو مختصر مضامین میں "غالب کے کلام کا مستقبل" اور "منفعت کلام غالب" پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

اردو کے معروف نقاد ڈاکٹر انور سدید نے کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف کراتے ہوئے غالب کو مصنف کا رہنما قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "معنوی طور پر سائنس دان کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے مختلف نہیں۔ سائنس دان اور شاعر ابتدا میں خواب دیکھتے ہیں۔ سائنس دان خواب کی تعبیر عملی زندگی میں تلاش کرتا اور پھر تجربے کی صداقت سے ثابت ہے۔ شاعر کا خواب خیالوں کا ہیولی ہی رہتا ہے' لیکن جب اس کی صورت گری شعر میں ہوتی ہے تو تجربے کی صداقت کا ایک دوسرا موضوعی روپ سامنے لے آتی ہے۔ غالب اس دوسرے روپ ہی کا عظیم نمائندہ شاعر ہے۔ سید حامد علی شاہ نے غالب کے اس مشاہدے کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔"

کتاب پڑھتے ہوئے قاری کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ غالب سائنس دان نہیں تھے' پھر ان کی فکر کو سائنسی شعور کیوں کر کہا جائے۔ ڈاکٹر پیرزادہ قاسم اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس سوال کا جواب بھی ایک سوال ہی ہے کہ اس روئے زمین پر پہلے سائنس دان نے سائنس کس سے پڑھی۔ بات صاف ہے۔ بھلا فطرت و قدرت اور مشاہدے اور مطالعے سے بڑھ کر استاد اور کون ہو سکتا ہے!" ڈاکٹر پیرزادہ قاسم کا یہ کہنا البتہ درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کتاب سے پہلے غالب کے سائنسی شعور پر نہیں لکھا گیا۔ اس موضوع پر چند مضامین موجود ہیں' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے غالب کے سائنسی شعور کا مبسوط مطالعہ پہلی بار کیا گیا ہے۔ غالب کے سائنسی شعور کے ضمن میں مصنف کے نقطہ نظر کو جاننے کے لیے کتاب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

# رباعیات عجائبات امو جان ولی دہلوی

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | امو جان ولی دہلوی |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو کراچی |
| طبع اول | : | 1995ء |
| قیمت | : | -/50 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

مولوی امو جان ولی دہلوی، غالب کے شاگرد تھے اور صوفی بزرگ مولانا سید محمد غوث علی شاہ (قلندر پانی پتی؟) سے بیعت تھے اس لیے ان کے رنگ سخن میں غالب کی ایمائیت بھی ہے اور تصوف کی دنیاؤں کی جہاں کشائی بھی جس سے ان کی شاعری میں ایک منفرد رنگ آگیا، اور جس میں اخلاقیات اور مذہبیات کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔

امو جان ولی دہلوی کی یہ رباعیات پہلی بار 1902ء میں شائع ہوئیں اور فی زمانہ از حد کم یاب تھیں۔ اس کے یہ نسخے صرف انجمن ترقی اردو کے کتاب خانے اور کتب خانہ جامعہ پنجاب ہی میں موجود تھے۔ اب انجمن ترقی اردو نے اسے دوسری بار شائع کر کے سہل الحصول بنا دیا ہے۔

"حرفے چند" میں جمیل الدین عالی نے صاحب کتاب کا تعارف کرایا ہے۔ رباعیات کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ "مولوی صاحب کا کلام.... اس عہد کے ایک عملی اور ساتھ ہی درویش صفت انسان کی فکری زندگی ہے جس کا مطالعہ ہمیں نہ صرف ان کی تخلیقات بلکہ بہت سے عصری رجحانات سے بہرہ ور کرتا ہے"---- خود مولوی امو جان اپنی رباعیات کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ "ان رباعیات کو صرف مذاق شاعری سے ملاحظہ نہ کریں۔ اس میں علم اخلاق و تصوف کے عجیب و غریب نکات، دینی و دنیوی شرعی معاملات، توحید، عرفان حال، مقام حضوری، استغراق، وصول الی اللہ، فقر کے اختتام تک کے اظہار و بیان کی سوچیں۔"

کتابت کی غلطیوں کی بابت جمیل الدین عالی لکھتے ہیں کہ احتیاط کے باوجود کوئی کوئی غلطی شاید رہ گئی ہو۔ انہوں نے مغربی ممالک کی کتابوں میں بھی غلطیوں کا حوالہ دیا ہے۔ افسوس کہ اتنی چھوٹی سی کتاب میں بھی متعدد غلطیاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو اہل قلم اور ناشر، پروف خوانی کو گناہ کبیرہ نہ سہی، گناہ صغیرہ ضرور سمجھتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اغلاط مغربی کتابوں میں بھی ملتی ہیں، ہمیں کچھ زیب نہیں دیتا۔ انگریزی کتب میں پروف کی غلطیاں اب بھی بہت کم ہوتی ہیں۔

یہ رباعیات اس قابل ہیں کہ انہیں پڑھ کر محسوس کیا جائے کہ امو جان نے تصوف کے پیرائے میں رازہائے زندگی کی گرہیں کس طرح کھولی ہیں۔

# نیاز فتح پوری۔ شخصیت اور فن


| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | ڈاکٹر عقیلہ شاہین |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو کراچی |
| طبع اول | : | 1995ء |
| قیمت | : | 200/- روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |


"نیاز فتح پوری" اردو ادب کا معروف نام ہے۔ انہوں نے تنقید، افسانہ نگاری، مذہبیات، معاشرتی و سیاسی علوم اور صحافت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی تحریریں آج بھی کئی ادبی مسائل کی تفہیم میں ادب کے طلبہ کی رہنمائی کرتی ہیں۔ "نگار" کے حوالے سے بھی ان کا نام اردو ادب میں یادگار رہے گا۔ "نگار" اس صدی کی تیسری دہائی میں شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے علمی، ادبی رسائل میں اپنا مقام بنا لیا۔ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد نیاز فتح پوری اپنے "نگار" سمیت کراچی آ گئے۔ انہوں نے پوری زندگی "نگار" اور اردو ادب کے لیے وقف کر دی تھی۔ تنقیدی، مذہبی اور سماجی علوم پر ان کی چند تصانیف قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ یوں نیاز فتح پوری کی شخصیت ہمارے سامنے متنوع دلچسپیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کتاب میں مصنفہ نے انہی دلچسپیوں کا جائزہ لیا ہے۔

یہ کتاب مصنفہ کا ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے لکھا جانے والا تحقیقی مقالہ ہے جو انہوں نے جانشین نیاز، فرمان فتح پوری کی نگرانی میں تحریر کیا ہے اور بقول جمیل الدین عالی "نیاز صاحب پر اب تک سب سے جامع، بڑی تحقیقی دستاویز ہے۔" مصنفہ نے "ابتدائیہ" میں بتایا ہے کہ اصل مقالہ خاصا ضخیم تھا، اشاعت کی غرض سے نظر ثانی کے بعد اسے مناسب حد تک مختصر کیا گیا ہے۔

مصنفہ نے کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں نیاز کی شخصیت اور سوانح بیان کی گئی ہے۔ اگلے چھ ابواب میں بالترتیب افسانہ نگاری، تنقید، مکتوب نگاری، صحافت، تراجم اور مقالہ نگاری میں نیاز کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنفہ نے نیاز کی افسانہ نگاری کو اہمیت دی ہے، چنانچہ افسانہ نگاری کا باب طویل ہے۔ ویسے بھی نیاز کی افسانہ نگاری نسبتاً زیادہ قابل ذکر ہے اور ان کی تصانیف میں افسانوں کے مجموعوں کی تعداد زیادہ ہے۔

کتاب کے آخری باب میں تمام مباحث کا خلاصہ دس صفحات میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ نیاز کی شخصیت اور فن کے تمام پہلو در آئے ہیں اور ان کے رجحانات فکر و عمل اور کارہائے نمایاں واضح ہو گئے ہیں۔

مختصراً نیاز شناسی میں یہ کتاب یقیناً بنیادی اہمیت کی حامل قرار پاتی ہے۔

# مرقع اقوال و امثال

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | سید یوسف بخاری دہلوی |
| ناشر | : | انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی |
| طبع اول | : | 1994ء |
| قیمت | : | -/450 روپے (صفحات = 1008) |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

سید یوسف بخاری (مرحوم) کے اجداد پشت ہاپشت سے دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاہجہان نے "شاہجہان آباد" بسایا تو جامع مسجد کی امامت کے لیے ان کے خانوادے کو وہاں لے آئے۔ تب سے اب تک جامع مسجد دہلی کی امامت اسی خانوادے میں چلی آ رہی ہے۔ گویا سید یوسف بخاری صحیح معنوں میں "دلی کے روڑے" تھے۔ غالباً" اسی لیے وہ ایک مستند اہل زبان بھی مانے جاتے تھے۔ محاورات اور ضرب الامثال سے انہیں شروع ہی سے دلچسپی تھی۔

مصنف کے "حرف گفتنی" سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اقوال و امثال کے موضوع پر ساٹھ برس پہلے کام شروع کیا تھا۔ اس دوران میں اس موضوع پر ان کی چند مختصر کتابیں شائع ہوئیں، لیکن وہ ایک جامع اور مفصل کتاب کی تیاری میں لگے رہے تاآنکہ شبانہ روز محنت اور دقت نظری سے زیر تبصرہ کتاب مکمل کر لی۔

محاورات اور ضرب الامثال کی، زبان دانی میں، بڑی اہمیت ہے۔ لکھنے والے کے پیش نظر ان کے استعمال سے جہاں ایجاد و اختصاز مقصود ہوتا ہے، وہیں تحریر میں خوبصورتی، نکھار اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بھی وہ انہیں استعمال کرتا ہے۔ نثر میں ان کی تاثیر شعری لطف و تاثر سے کم نہیں۔ خود شعر میں اقوال و امثال کا استعمال اس میں چار چاند لگا دیتا ہے اور اس کی تاثیر دو چند ہو جاتی ہے۔ دیگر صنعتوں کے مقابلے میں محاورات و امثال اور اقوال نسبتاً" زود فہم اور پر تاثیر ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی افادیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

اس کتاب میں پچیس ہزار کے قریب ضرب الامثال اور اقوال جمع ہیں۔ کتاب 187 عنوانات میں منقسم ہے اور ہر عنوان کے تحت محاورے، اقوال اور ضرب الامثال کو انصبائی ترتیب میں اردو امثال کے حوالے سے، درج کیا گیا ہے۔ اقوال و امثال کے محل استعمال کو واضح کرنے کے لیے اشعار بھی دیے گئے ہیں۔ ہر شعر کے ساتھ اس کے شاعر اور شاعر کا سن وفات درج کرنے کا التزام بھی ہے تاکہ متعلقہ محاورے کے زمانہ استعمال کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ منتخب روایتی اور تاریخی واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں جو اقوال و امثال سے منقول اور منسوب ہیں۔ ہر مثل

اور قول کے معنی، مطلب اور محل استعمال کو واضح کرتے ہوئے مشکل الفاظ کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ امثال و اقوال کو درج کرنے کی ترتیب یوں رکھی گئی ہے کہ پہلے اردو مثل درج کی ہے، پھر اس کے مترادف دیگر مشرقی زبانوں کی کہاوتوں، اقوال اور امثال کی باری آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر عالمی زبانوں کی کہاوتوں اور اقوال کے ترجمے بھی موقع کی مناسبت سے کیے گئے ہیں۔

مرتب نے پاکستانی زبانوں کی امثال اور اقوال کی جمع آوری میں بھی خاصی محنت کی تھی۔ ان کی یہ کوشش اور جستجو اس لیے اور بھی قابل تحسین ٹھہرتی ہے کہ وہ ان زبانوں کے ماہر نہیں تھے بلکہ بعض سے تو واقف بھی نہیں تھے۔ ان کے بقول ان زبانوں کی امثال اور اقوال کی جمع آوری کے لیے انہوں نے متعلقہ زبانوں کے زبان دان حضرات سے رجوع کیا اور ان کی مدد اور رہنمائی سے وہ ان زبانوں کی امثال اور اقوال کتاب میں شامل کرنے کے قابل ہو سکے۔ جمیل الدین عالی نے "حرفے چند" میں کتاب اور صاحب کتاب کے متعلق قاری کو بہت کچھ بتایا ہے۔

"حرف گفتنی" کے علاوہ مصنف کا 27 صفحات کا مقدمہ بھی کتاب میں شامل ہے۔ اس میں انہوں نے تحقیق اور مثالوں سے اقوال و امثال کی تعریف اور ان کی حیثیت سے بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں کسی بھی زبان میں (اور خصوصاً اردو زبان کے حوالے سے) ان کی اہمیت واضح کی ہے۔ ضرب الامثال اور اقوال کی تاریخ کے حوالے سے بھی مصنف نے محنت، تلاش اور تحقیق سے ان کی تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مختلف اقوام و ممالک اور زبانوں میں مختلف اقوال اور ضرب الامثال کے آغاز و ترویج کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس کتاب میں اردو کے علاوہ عربی، فارسی، پنجابی، پشتو اور سندھی زبانوں کی امثال اور اقوال بھی جمع کیے گئے ہیں۔ اور بقول عالی صاحب "جہاں فطرت انسانی کے ارتقاء کی فکر انگیز نشاندہی" ہوتی ہے وہیں یہ کتاب پاکستان کی تہذیبی وحدت کی جھلکیاں بھی دکھاتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف کا بیان ہے کہ "میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی سالمیت اور بقا کا تمام تر دار و مدار دین اسلام، اسلامی نظام، متحدہ ثقافت اور پاکستان کے صوبوں اور علاقوں میں بولی اور لکھی جانے والی تمام زبانوں پر ہے۔"

بحیثیت مجموعی اپنے موضوع پر یہ بے مثل کتاب ہے۔ اردو کے ہر قاری کے لیے بلاتخصیص اور پاکستانی زبانوں کے قارئین اور ماہرین کے لیے بالتخصیص فائدہ مند ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی حجم میں ضخامت اور معیار میں استناد ہے۔ عالی صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ مصنف "ہمیں، اور ہمارے ذریعے قومی زبان کو ایک بڑا ذخیرہ دے گئے۔"

# انتظار حسین۔ ایک دبستان

مرتب : ڈاکٹر ارتضیٰ کریم
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، کوچہ پنڈت لال کنواں دہلی نمبر2 (بھارت)
طبع اول : 1996ء
قیمت : -/350 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

انتظار حسین جدید افسانہ نگاری میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ اردو ادب کا ہر قاری نہ صرف ان کے نام بلکہ فن سے بھی واقف ہے۔ ان کے افسانوں کے ترجمے دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ دور جدید کے غالباً" وہ واحد افسانہ نگار ہیں جن کے فن پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے' مگر وہ سب مضامین پاک و ہند کے مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے ہیں۔ عالم گیر شہرت کے اردو افسانہ نگار کی حیثیت میں ضروری تھا کہ ان کے فن پر مفصل اور قابل استفادہ حوالے کی کتاب لکھی جائے۔ دہلی یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں انتظار حسین کے فن پر اہم مضامین جمع کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نوجوان محقق اور نقاد ہیں۔ اچھی تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس کتاب کے علاوہ ان کی دیگر کتابوں سے بھی ہوتا ہے: مثلاً "قرۃ العین حیدر۔ ایک مطالعہ"، "ترقی پسند ادب (کتابیات)"، "آٹھویں دہائی میں بہار کا اردو ادب" وغیرہ۔

کتاب کو متعدد ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب "چہرہ" ہے جس میں مرتب کے دو مضامین کے علاوہ شمیم حنفی کا بھی ایک مضمون شامل ہے۔ ان میں سے ایک مضمون "داستان سے دبستان تک" میں مرتب نے انتظار حسین کے فن پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے ان کے فن کا گہرا تجزیہ کیا ہے اور کتاب کی وجہ اشاعت بھی بیان کی ہے۔ اسے کتاب کا مقدمہ سمجھنا چاہیے۔ مرتب نے اس ضخیم کتاب میں انتظار حسین کے فن پر پچاس کے قریب مضامین جمع کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "پچاس مقالے اور ہیں جو اس کتاب میں شامل نہیں کیے جا سکے اور نہ کسی ایک کتاب میں شامل کیے جا سکتے ہیں کہ اس کی ضخامت کا بار کون اٹھائے گا۔ مقالوں کی اس تعداد سے انتظار حسین کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ انتظار حسین کی تحریر پر ہمارے قارئین اور ناقدین اپنے ردعمل کا اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔"

مرتب نے کتاب میں انتظار حسین کی ناول نگاری' افسانہ نویسی اور تنقید نگاری پر مضامین شامل کیے ہیں۔ انتظار حسین نے دیگر اصناف میں بھی تحریر کیا ہے۔ اس بارے میں مرتب کا کہنا ہے

کہ "میری خواہش تھی کہ اس کتاب میں ان کے اداریے، سفرنامے، ڈرامے، تراجم اور ان کی کالم نگاری وغیرہ پر بھی مضامین شامل کروں لیکن بوجوہ ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ یقین ہے، میں نہ سہی کوئی دوسرا یہ کام ضرور کرے گا۔" خود اس کتاب کی ترتیب سے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ "یہ کام میں نے تین سال قبل شروع کیا تھا۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرتب نے مضامین کے انتخاب میں کس قدر احتیاط پسندی اور دقت نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔

اسی حصے میں مرتب کا دوسرا مضمون "علمی و ادبی فتوحات" ہے۔ اس میں انہوں نے انتظار حسین کی کتب اور دیگر ادبی مصروفیات کی مفصل فہرست دی ہے۔ ساتھ ہی ان کی شخصیت اور فن پر چند کتب اور مقالات کی فہرست بھی دے دی ہے تاکہ استفادے کا دائرے وسیع ہو سکے۔ شمیم حنفی کا مضمون تاثراتی ہے۔ چوتھا مضمون "قصہ پارینہ ــــــ میں کیوں لکھتا ہوں" خود انتظار حسین کا لکھا ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنے ماضی کی یادیں تازہ کی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ دونوں مضامین تاثراتی ہیں اور ان میں انتظار حسین کی بازیافت کی گئی ہے۔

دوسرے باب کا عنوان "چہرہ بہ چہرہ" ہے۔ اس کے تحت انتظار حسین کے چار انٹرویو شامل کتاب ہیں۔ انٹرویو لینے والوں میں محمد عمر میمن، سہیل احمد، طاہر مسعود اور آصف فرخی شامل ہیں۔ ان میں اول الذکر کا لیا گیا انٹرویو نسبتاً مفصل ہے اور اس میں انتظار حسین کے فکر و فن کے تقریباً تمام پہلو زیر بحث آ گئے ہیں۔ "اسرار فن" تیسرے باب کا موضوع منتخب کیا گیا ہے۔ اس میں صف اول کے دس نقادوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق انتظار حسین کے فن کا تجزیہ، تشریح اور نقد کی ہے۔ چوتھے باب میں "ناول" عنوان کے تحت انتظار حسین کے پانچ ناولوں "چاند گہن" "دن اور داستان" "بستی" "تذکرہ" اور "آگے سمندر ہے" پر پندرہ نقادوں کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے نو مضامین صرف "بستی" پر ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتظار حسین کے اس ناول کو نقادوں نے سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان مضامین میں انتظار حسین کی ناول نگاری کی خصوصیات بھی واضح کی گئی ہیں اور نقد و تجزیے سے ان کے اہم رجحانات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ سولھواں مضمون معروف نقاد ڈاکٹر انور سدید کا ہے جس میں انہوں نے مجموعی طور پر انتظار حسین کی ناول نگاری کا جائزہ لیا ہے۔

پانچواں باب "افسانے" سے متعلق ہے۔ اس میں انتظار حسین کی افسانہ نگاری اور ان کے افسانوں کے انفرادی جائزوں پر مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری پر آٹھ جبکہ افسانوں پر تیرہ مضامین منتخب کیے گئے ہیں۔ چھٹا باب "تنقید کی تنقید" ہے۔ اس میں انتظار حسین کے تنقیدی مضامین کے مجموعے "علامتوں کا زوال" کے تنقیدی مطالعے پر پانچ مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ انتظار حسین خود کو نقاد نہیں سمجھتے اور اکثر اس کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "علامتوں کا زوال" کے تنقیدی مضامین ایک قاری کے نقطہ نظر سے لکھے گئے ہیں، لیکن مضمون نگاروں نے ان کے تنقیدی مضامین کا تجزیہ کر کے ان کے اندر ایک زبردست نقاد کے چھپے ہونے کی اطلاع دی ہے۔

اگلا باب "تنقید پارہ" ہے جس میں نقد و تجزیے سے ہٹ کر خود انتظار حسین کی چار تحریریں "خطبہ صدارت"، "کہانی کی کہانی"، "اپنے کرداروں کے بارے میں" اور "نئے افسانہ نگاروں کے نام" شامل ہیں۔ چونکہ ان میں انتظار حسین نے اپنے فن کی خود نقاب کشائی کی ہے، اس لیے بنیادی ماخذ کی طرح ان کی اہمیت مسلم ہے۔ ان مضامین سے ان کے فن اور خیالات کے بعض ایسے گوشے بھی سامنے آتے ہیں جن پر روایتی تنقید کی نظر شاید نہ جا سکتی۔ اس کے علاوہ جستہ جستہ انتظار حسین کے فن پر معروف نقادوں کی آراء کے اقتباسات بھی الگ سے درج کیے گئے ہیں۔ ظاہری طور پر تو یہ خالی جگہیں پر کرنے اور کتاب کی تزئین کی کوشش معلوم ہوتی ہے لیکن موضوع سے متعلق ہونے کی وجہ سے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

کتاب کے پہلے مضمون (یا مقدمہ کتاب) میں مرتب نے انتظار حسین کے فن کی خصوصیات اور رجحانات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کا موازنہ قرۃ العین حیدر سے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے قرۃ العین حیدر نے ناول نگاری میں جبکہ انتظار حسین نے افسانہ نگاری میں نام پیدا کیا، حالانکہ دونوں نے دونوں اصناف میں یکساں دلچسپی لی ہے۔ آخر کار انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ "کہا جا سکتا ہے کہ قرۃ العین حیدر کے افسانوی ادب کی شناخت اگر تاریخ کے حوالے سے بنتی ہے تو انتظار حسین کے افسانوی ادب کی پہچان بزرگان دین کے ملفوظات، تلمحیات اور داستانوی لب و لہجہ کے بغیر ممکن نہیں۔"

اس کتاب میں درج ذیل ادیبوں کے تنقیدی مضامین شامل کیے گئے ہیں:

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، مظفر علی سید، سلیم الرحمن، وحید اختر، سجاد باقر رضوی، سراج منیر، ڈاکٹر شمیم حنفی، انور عظیم، سہیل احمد، عظیم الشان صدیقی، رضی عابدی، شمیم احمد، جیلانی کامران، ڈاکٹر وزیر آغا، آفتاب احمد، ڈاکٹر انور سدید، مسعود اشعر، ممتاز شیریں، ابوالکلام قاسمی، بلراج کومل، ابن فرید، انیس ناگی، علی حیدر ملک، آصف اسلم فرخی، عطاء الحق قاسمی، ڈاکٹر انور سجاد، زاہد فاروقی، نذیر احمد، شمس الرحمن فاروقی، قمر جمیل، اصغر ندیم سید اور ڈاکٹر ارتضیٰ کریم۔

زیر تبصرہ کتاب سے جہاں مرتب کی تنقیدی نظر کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں ان کی محنت اور سلیقے کی داد دینے کو بھی جی چاہتا ہے۔

# طلسم گوہربار

| | | |
|---|---|---|
| مصنف | : | اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی |
| ناشر | : | بک مارک (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ پاک چیمبرز 57- ٹمپل روڈ' لاہور |
| تدوین | : | محمد سلیم الرحمن |
| طبع اول (جدید) | : | 1996ء |
| قیمت | : | -/250 روپے |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |

اردو ادب میں افسانہ طرازی کی صنف میں جو مقبولیت داستان امیر حمزہ کے ہزاروں صفحات پر مشتمل نصف صد دفتروں کو حاصل ہوئی' وہ محتاج تعارف نہیں۔ اصل فارسی داستان چند جلدوں میں ہے جسے منشی نول کشور کے ملازم اور دوسرے داستان گویوں نے پھیلا کر صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے۔ ان داستانوں میں قاری کی دلچسپی کا تمام سامان موجود ہے۔ طلسمات کی ایسی دنیائیں ہیں جہاں قاری ایک بار داخل ہو جائے تو اس کا مطالعہ کیے بغیر باہر کی دنیا میں واپس آنا مشکل ہے۔ دلچسپی' مواد' ضخامت اور اساطیری خصائص کی پاسداری میں ان داستانوں کا نہ صرف اردو ادب بلکہ عالمی ادب میں بھی کوئی ثانی نہیں۔ "بالا باختر" کے نام سے ایک دفتر یا حصہ اسی داستان امیر حمزہ سے ہے۔ "طلسم گوہربار" اسی ضخیم دفتر کی کہانی کا ایک حصہ ہے جو اپنے مطالب اور تفصیلات میں اپنی جگہ مکمل ہے۔ اسے منیر شکوہ آبادی نے الگ سے تحریر کیا۔

منیر' دبستان لکھنؤ کے نامور شاعر ہوئے ہیں۔ ناسخ اور رشک (تلمیذ ناسخ) کے شاگرد تھے۔ لیکن ان کی نثر دبستان لکھنؤ کی روایتی مشکل پسند شاعری کے برخلاف آسان' سادہ اور رواں ہے۔

شروع میں پیش لفظ ہے جس میں مصنف نے طلسمات کی حقیقت اور علامت کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔ یہ بیان داستان ہی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ پیش لفظ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مرتب نے اردو داستانوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ منیر کے سوانح دو صفحات میں بیان کیے گئے ہیں۔ منیر پر بھارت سے ڈاکٹر زہرہ یاسمین نے ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے مقالہ لکھا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔ مرتب نے اسی سے استفادہ کرتے ہوئے منیر کے اہم سوانح دیے ہیں۔ منیر کی نثر نگاری کے بارے میں مرتب کا کہنا ہے کہ "منیر کو نثر لکھنے کا بڑا سلیقہ ہے اور بہت سے مناظر اور ماجرے تو انہوں نے اس مہارت سے قلم بند کیے ہیں کہ ان پر کوئی کیا اضافہ کرے گا۔" منیر کی داستان گوئی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ "طلسم گوہربار انتہائی دلچسپ ہے۔ اسے جتنی بار پڑھا' نیا لطف حاصل ہوا۔ منیر شکوہ آبادی سچ مچ بڑے پائے کے داستان گو ہیں۔" خود "طلسم گوہربار" کے خصائص کے بارے

میں مرتب نے جو کچھ لکھ دیا ہے' اس پر اضافہ ممکن نہیں۔ لکھتے ہیں:

"طلسم گوہر بار" میں کمال کا پہلو اس کا اختصار ہے۔ مطبع نول کشور کی طرف سے جو طلسم طبع ہوئے' اور ان میں اولیت بجا طور پر "طلسم ہوش ربا" کو ہے' وہ کئی جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ حیران کن پھیلاؤ ان کو جلال اور حیرت عطا کرتا ہے۔ وہ ان دیواری تصویروں کی مانند ہیں جو کئی کئی سو فٹ پر محیط ہوں اور جن کی تفصیلات کی گنجانی اور پیچ و خم میں نظر چکرا کر رہ جائے۔ اس کے برعکس "طلسم گوہر بار" میں کسی منی ایچر کی سی چست رنگا رنگی اور جاذبیت ہے۔ تھوڑے صفحوں میں بڑی پرکاری سے طلسم کی سبھی کیفیات آراستہ کر دی گئی ہیں۔ اردو داستان میں طلسم کے تصور سے منسوب تمام خصوصیات "طلسم گوہر بار" میں بطریق احسن موجود ہیں۔ یہ منیر کا کمال ہے۔ اس کفایت شعاری میں داستان نویسوں میں بظاہر ان کا کوئی ثانی نہیں"۔۔۔۔ "علامتی سطح پر یہ داستان اسرار آشنائی کے مراحل کا بیان ہے اور قصے کے طور پر اتنی دلچسپ کہ ایک دفعہ پڑھنا شروع کر دیں تو کتاب چھوڑنے کو دل نہ چاہے"۔۔۔۔۔ "منظر کشی ہو یا تحیر آفرینی' اسلوب کی دل کشی ہو یا پلاٹ کا دروبست' ہر لحاظ سے اس طلسم کا مقام بلند ہے۔ نایابی کی وجہ سے اس کا چرچا نہ ہو سکا۔"

یہ کتاب پہلی بار 1887ء میں مطبع اعجاز محمدی' آگرہ سے طبع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے طبع ہونے کی نوبت نہ آ سکی۔ اس دوران اس کے مطبوعہ نسخے اس درجہ کم یاب ہو گئے کہ مرتب کے پاس موجود نسخے کے سوا کسی اور نسخے کا علم نہیں ہے۔ اس کا مخطوطہ البتہ رضا لائبریری' رام پور میں موجود ہے۔ اب یہ کم یاب داستان اپنی اشاعت کے ایک صدی سے بھی زائد عرصے کے بعد نئی ترتیب سے شائع ہو گئی ہے' اور یوں قاری کو اردو ادب کی اہم ترین داستان مطالعے کے لیے آسانی سے فراہم ہو گئی ہے۔

مرتب' اردو کے معروف نقاد ہیں اور زبان و قواعد پر ان کی نظر گہری ہے۔ اس کا اندازہ "طلسم گوہر بار" کی اس تدوین سے بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس تدوین سے مرتب نے جس دقت نظری کا مظاہرہ کیا ہے' اس کے بناء پر یہ ترتیب کلاسیکی ادب کے متون کی تدوین جدید میں نمونے کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ امید ہے باذوق قاری اس داستان کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے کیونکہ یہ "شستہ اور رچی تلی نثر کی نہایت عمدہ مثال ہے۔" اور کہانی کے اعتبار سے "یہ صحیح معنوں میں ہوش ربا داستان ہے۔"

# غالب (ششماہی)


| | | |
|---|---|---|
| مرتبین | : | مختار زمن۔ رعنا فاروقی |
| ناشر | : | ادارہ یادگار غالب۔ غالب لائبریری' ناظم آباد' کراچی نمبر 74600 |
| شمارہ II تا IV | : | 1995ء |
| قیمت | : | -/100 روپے (صفحات 574) |
| مبصر | : | رفاقت علی شاہد |


اردو کے علمی' ادبی رسائل میں "غالب" کا اپنا ایک مقام ہے۔ یہ اردو کی اعلیٰ تحقیقی و تنقیدی اقدار کا حامل بھی ہے اور ادارہ یادگار غالب کی منفرد حیثیت کا پرتو بھی۔ زیر نظر اس کا تازہ شمارہ ہے جو ایک عرصے کے بعد تشنگان علم و ادب کی پیاس بجھانے کا سامان لیے ہوئے شائع ہوا ہے۔ اس تاخیر کا باعث مرتب کی زبانی سنئے: "غالب" کے ایک نہیں' تین شمارے مرتب کیے جا چکے تھے مگر شہر کے حالات کی وجہ سے ان کی طباعت و اشاعت کا مرحلہ سر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ حالات درست ہونے کے انتظار میں وقت تیزی سے گزرتا رہا.... پچھلے ڈیڑھ برس میں بصد مشکل جتنے صفحات کمپوز ہو سکے' انہیں تین شماروں میں منقسم کرنے کے بجائے ایک شمارے کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔"

رسالے کے مضامین کو آٹھ موضوعات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ انتظار حسین' اوپندر ناتھ اشک اور غالب پر گوشوں کے علاوہ نوادر' آپ بیتی' سفرنامہ' چشم دید اور نقد و نظر کے حصے الگ الگ ہیں۔ غالب کے گوشے میں ان پر دو مضامین ہیں۔ پہلے مضمون میں شان الحق حقی نے غالب کے دو شعروں کی شرح ایک نئے انداز سے کی ہے اور مروجہ شرح کو مسترد کر دیا ہے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر حنیف نقوی کا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں انہوں نے غالب کے چار غیر مطبوعہ فارسی خطوط مرتب کیے ہیں۔ یہ خطوط انہیں مکاتیب غالب کی ایک قلمی بیاض سے ملے تھے۔ اس مضمون میں دو تحقیقی تسامحات نظر سے گزرے ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے۔ اول یہ کہ مضمون نگار نے نواب میرزا حسام الدین حیدر خاں نامی کے اردو دیوان کو "ہنوز غیر مطبوعہ" تحریر کیا ہے' حالانکہ "دیوان نامی" 24 برس قبل شائع ہو چکا ہے۔ اسے ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری نے مرتب کیا اور یہ 1972ء میں مکتبہ ادبستان' سری نگر (بھارت) سے شائع ہوا (مطبوعہ الواعظ صفدر پریس' لکھنؤ)۔ دوسرے یہ کہ مظفر الدولہ کے نام غالب کے دو خطوط بھی مذکورہ چار خطوط میں شامل ہیں۔ ان میں سے دوسرے خط کے زمانہ تحریر کے تعین میں مرتب نے سات اشعار کے فارسی قطعے کو بنیاد بنایا ہے جو اس خط میں تحریر ہے۔ یہ قطعہ دو قلمی بیاضوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مرتب کے

مطابق ان میں سے ایک ۴ جولائی 1838ء کی کتابت شدہ ہے جس کے حاشیے میں یہ قطعہ درج ہے جبکہ دوسری بیاض کی کتابت 29 دسمبر 1841ء کو ہوئی اور قطعہ مذکور اس کے متن میں بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس کو بنیاد بنائے ہوئے انہوں نے اس خط کا زمانہ تحریر 1841ء تحریر کیا ہے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ مرتب کے خیال میں جب مذکورہ دوم بیاض میں وہ قطعہ متن میں شامل کیا گیا' تبھی غالب نے مذکورہ خط میں بھی اسے تحریر کیا۔ اگر مرتب نے اسی قیاس کو بنیاد بنایا ہے تو یہ قیاس حد درجہ غلط ہے۔ اگر اس قطعے کا خط سے تعلق جوڑنا مقصود ہے تو جیسا کہ مرتب کے اپنے بیان کے مطابق یہ مذکورہ اول بیاض میں بھی شامل ہے' اس صورت میں اس خط کا زمانہ تحریر 1838ء بھی ہو سکتا ہے' یہ متعین یا ثابت نہیں ہو سکتا کہ غالب نے یہ قطعہ بیاض دوم کی تیاری کے وقت ہی خط میں تحریر کیا تھا' لہٰذا اس بیاض کو بنیاد بنا کر خط نمبر دو کا زمانہ تحریر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں پہلا خط ہی مدد کرتا ہے۔

انتظار حسین کے گوشے میں ان سے لیا گیا ایک انٹرویو اور ان کی دو تحریریں شامل ہیں۔ مرتب کے مطابق یہ تحریریں اور انٹرویو بھارت میں شائع ہو چکے ہیں' پاکستان میں یہ ان کی پہلی اشاعت ہے۔ انتظار حسین سے گفتگو کرنے والوں میں محبوب الرحمٰن فاروقی' پروفیسر شمیم حنفی اور قمر احسن شامل ہیں۔

اوپندر ناتھ اشک پر گوشہ سب سے اہم ہے۔ اس میں ان کا ایک انٹرویو ہے جو آصف فرخی نے لیا تھا۔ ان کی شخصیت اور فن پر دیوندر ستیارتھی' مجیب صدیقی' مختار زمن اور مبین مرزا کے مضامین اور "خامہ بگوش" کا کالم شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خود اشک کے چار مضامین' ممتاز شیریں کے ان کے نام دو خط اور چودھری نذیر احمد (سویرا) کے نام ان کے خطوط شامل ہیں۔ یہ مشمولات 228 صفحات کو محیط ہیں اور یہ پوری ایک کتاب کا مواد ہے۔ ان متنوع مشمولات سے اشک کی شخصیت اور فن کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔

"آپ بیتی" کے تحت رام لعل کی آپ بیتی "کوچہ قاتل" کا ایک حصہ' "سفرنامے" کے تحت فردوس حیدر کا "یہ دوریاں' یہ فاصلے" جو بھارت کا ادبی سفرنامہ ہے اور قابل مطالعہ ہے' اور "چشم دید" میں عبدالغفار حسن زادہ کا "پٹیالے کا جو ذکر کیا...." شامل ہیں۔ عبدالغفار حسن زادہ کی یہ پہلی ادبی تحریر ہے جو شائع ہو رہی ہے۔ اس میں انہوں نے پٹیالہ شہر کی ادبی' ثقافتی اور تہذیبی زندگی کے مرقعے پیش کیے ہیں۔ مرتب کے مطابق "پٹیالہ ایک اہم تہذیبی مرکز تھا۔ اس مضمون میں اس شہر کے تہذیبی و ثقافتی خدوخال پہلی مرتبہ اجاگر کیے گئے ہیں۔ عبدالغفار حسن زادہ کی یہ پہلی تحریر ہے جو کسی علمی و ادبی جریدے میں شائع ہو رہی ہے۔"

"نوادر" کا حصہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں۔ اس میں جوش ملیح آبادی' فراق گورکھ پوری' عزیز احمد' عصمت چغتائی اور شاہد کے خط شامل ہیں جو انہوں نے چودھری نذیر احمد (سویرا) کو لکھے تھے جبکہ ابن انشاء اور قدرت اللہ شہاب کے نورالحسن جعفری کے نام دو خط اور جوش ملیح آبادی کا دیوان سنگھ مفتون کے نام ایک طویل خط بھی شامل ہیں۔ ان خطوط سے مکتوب نگاروں کی

زندگی کے بعض گوشوں کے بارے میں نئی معلومات ملتی ہیں جس کی وجہ سے یہ خطوط بہت اہم ہو گئے ہیں۔

"نقد و نظر" کے تحت فردوس حیدر نے کشور ناہید کی خودنوشت "بری عورت کی کتھا" کا تنقیدی محاکمہ کیا ہے' جبکہ حمید نسیم نے سہیل احمد خاں کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

یہاں ایک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ "غالب" میں بعض ایسی شخصیات کے اوران پر مضامین سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے جو پچھلے دنوں وفات پا چکے ہیں۔ مثلاً قدرت اللہ شہاب اور نورالحسن جعفری۔ مناسب تھا اگر حواشی میں اس طرف اشارے کر دیے جاتے یا کم از کم "حرف سادہ" ہی میں اس کا ذکر کر دیا جاتا۔

اس قدر متنوع اور اہم قابل مطالعہ مواد ملنے سے قاری کو "غالب" کی غیر معمولی تاخیر کچھ زیادہ نہیں کھٹکتی۔ مجموعی طور پر "غالب" کا یہ شمارہ حوالے کی دستاویز ہے' اور قاری سے لے کر محقق تک ہر ایک کے ذوق مطالعہ کا سامان اس میں موجود ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

# اسلام کا قانون اراضی

مصنف : نصرت علی اثیر
ناشر : مرکز تحقیق۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری' لاہور
طبع اول : دسمبر 1994ء
قیمت : -/50 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

مرکز تحقیق' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کا تحقیقی سرگرمیوں کا شعبہ ہے۔ یہ سرکاری کتب خانوں میں تحقیقی سرگرمیوں کی اعلیٰ روایات کا حامل منفرد ادارہ ہے۔ یہاں اسلام اور اجتہاد کے موضوعات پر ایک عرصے سے تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ اب تک اس شعبے کی طرف سے نصف صد کے قریب تحقیقی و فقہی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ اپنی بیش بہا خدمات کی وجہ سے یہ ادارہ ملک اور بیرون ملک سے بھی شاندار خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔ یہ کتاب بھی اس ادارے کی اسی تحقیقی روایت کی عکاسی کرتی ہے۔

اس کتاب کے مصنف' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے سابق لائبریرین اور سیکرٹری ہیں۔ لائبریرین عام طور پر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور کتابوں کے اعداد و شمار کے پھیر سے باہر نہیں نکلتے۔ اثیر صاحب لائبریرین حضرات کے اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے کام سے کام تو رکھتے ہی ہیں' کتابوں سے استفادہ کرنا بھی جانتے ہیں' اسی لیے وہ ایک اچھے علمی و تحقیقی ذوق کے مالک ہیں۔ اس کا اندازہ ان کی اس کتاب سے بھی ہوتا ہے۔

یہ کتاب کیونکر وجود میں آئی' مرکز تحقیق کے ڈائریکٹر (اب سابق) حافظ غلام حسین اس بارے میں اپنی تقدیم "میں تحریر کرتے ہیں کہ" عشر کے مسائل' متروکہ زمینوں کے مسائل' سرکاری زمینوں کی آباد کاری' بنجر اور دور افتادہ زمینوں کے معاملات' بدلے ہوئے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں ان کا اسلامی حل جیسے سوالات تھے جن کے لیے ادارہ ہذا کے سابق ڈائریکٹر مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جناب نصرت علی اثیر سیکرٹری دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کو اس کام پر لگایا اور اپنی زیر نگرانی یہ کتابچہ تیار کرایا۔"

کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول "زراعت : تاریخی پس منظر" پر ہے۔ اس میں زراعت کی لغوی و معنوی تشریح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف اقسام کی وضاحت اور اس کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا باب "زرعی اصلاحات عہد نبویؐ میں" ہے۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے، زراعت سے متعلق اسلامی احکامات اور عہد نبویؐ میں زراعت اور اس

کے متعلقات کے انتظامی پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسرا باب "خلفائے راشدین کے دور میں زراعت" کی صورت حال کو واضح کرتا ہے۔ اسے چار حصوں میں تقسیم کر کے صدیقی' فاروقی' عثمانی اور علوی عہدوں کا علحدہ علحدہ بیان ہے۔ ان دونوں ابواب کے مباحث سے نظریے اور عمل کے ذریعے زراعت کے اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس طرح یہ ابواب کتاب میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ چوتھا باب بھی اسی سلسلے کی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں "ممالک محروسہ کا نظام زراعت اور فتوحات اسلامی" کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ آخری باب "احکام اراضی" سے متعلق ہے۔ اس میں ملکیت' زمین' جاگیرداری' مزارعت اور آب پاشی کے انتظامات و قوانین کی اسلامی روح اور احکام وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں متعلقہ موضوع پر مزید مطالعے کے لیے منتخب کتب اور مضامین کی فہرست بھی دی گئی ہے جو یقیناً" اس موضوع پر مزید مطالعے کے خواہش مند قارئین کے لیے سود مند ثابت ہو گی۔

مصنف نے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی ہے جو اس نوع کی علمی تحریروں کے لیے مناسب ہے۔ کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مصنف رقم طراز ہیں کہ "اسلام دین فطرت ہے' چنانچہ اس نے انسان کی فطرت میں فساد کے در آنے کے ہر دروازے کو بند کرنے کے لیے مناسب انتظامات کیے ہیں جن کی رو سے اخلاقی اور مملکتی قوانین کو نافذ کرنے کے اصول و ضوابط باآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ "اسلام کا قانون اراضی" انہی قوانین کا اجمالی سا عکس ہے جس میں انسان کے لیے زمین کی ملکیت' آباد کاری اور کاشت کاری کے حوالے سے حقوق و فرائض کی تصویر کشی کی گئی ہے۔"

حافظ غلام حسین کے مطابق "اثیر صاحب نے بڑی دل لگی اور تندہی سے ان مسائل پر تحقیق کی ہے۔" اراضی کا مسئلہ ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے اسلام کے احکام کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ کتاب ایک مسلمان کو اس کی راہ دکھائی ہے۔ امید ہے قارئین اس سے کماحقہ مستفید ہوں گے۔

# جگن ناتھ آزاد-- شخصیت اور فن

مرتب : ایم' حبیب خاں
ناشر : ماہنامہ کتاب نما جامعہ نگر نئی دہلی نمبر25 بھارت
طبع اول : 1994ء
قیمت : -/51 روپے
مبصر : رفاقت علی شاہد

ناشر= ماہنامہ "کتاب نما"۔ جامعہ نگر' نئی دہلی۔ نمبر25-

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ' دہلی' بھارت میں اردو کا قدیم اور فعال اشاعتی ادارہ ہے۔ کتابوں کی حوصلہ افزا اشاعت کے ساتھ ساتھ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے ایک ادبی ماہنامہ "کتاب نما" بھی شائع ہوتا ہے۔ اس ادارے نے ایک منفرد روایت کی طرح ڈالی ہے' یعنی اردو کے قابل ذکر اور نامور زندہ ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کے اعتراف میں ان کے فکر و فن پر "کتاب نما" کا خاص شمارہ شائع کیا ہے۔ اس سلسلے میں درجنوں نمبر شائع ہو کر اس درجہ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں کہ ان میں سے بعض کی دوبارہ' سہ بارہ اشاعت کا اہتمام کرنا پڑا۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی روایت کی کڑی ہے۔ یہ کتاب پروفیسر جگن ناتھ آزاد پر "کتاب نما" کا خصوصی شمارہ ہے۔ اس کے مضامین میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ جگن ناتھ آزاد کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب اردو کے معروف نقاد اور محقق ایم' حبیب خاں نے مرتب کی ہے۔

اداریے میں مرتب نے جگن ناتھ آزاد کے علمی و ادبی مرتبے کا تعین کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھارت میں اقبال کا نام لینا بھی گناہ اور جرم سمجھا جاتا تھا۔ ایسے میں آزاد نے اس خوف اور جھجک کی فضا کے سکوت کو توڑا اور اقبال کی ہمہ گیریت اور عالمی خیثیت و اہمیت واضح کی۔ وہ اقبالیات کے ماہر تسلیم کیے گئے۔ اقبال پر ان کے تحقیقی و تنقیدی کارناموں کا اعتراف صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے انہیں "اقبال ایوارڈ" دے کر کیا۔

وہ بڑی خوب صورت اور مؤثر شاعری بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں اپنے والد تلوک چند محروم جیسے شعر شناس اور سخن گو کی رہنمائی میسر آئی ہے جس نے ان میں اچھے شاعر کے جملہ خصائص جمع کر دیے ہیں۔

آزاد کو اردو سے والہانہ عقیدت اور محبت ہے۔ اس کی بڑی وجہ یقیناً ان کے والد کی تعلیم و تربیت ہے جن کی پرورش اور رہنمائی میں اردو نوازی یقیناً" شامل رہی۔ آزاد کی اردو نوازی کا منفرد پہلو یہ ہے کہ وہ اس کے حق میں دو سو سے زائد قطعات لکھ چکے ہیں۔

انہوں نے حق گوئی و بے باکی کے جواہر سے بھی اپنی شخصیت کو مالا مال کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو ہو یا مسلمان' وہ ہمیشہ کھری اور سچی بات کرتے اور حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت پر بھی انہوں نے مختلف قطعوں اور نظموں کے ذریعے اپنے سوگوار جذبات کا اظہار کیا تھا۔

اس کتاب میں مختلف ادیبوں کے "آزاد" کے فکر و فن اور سوانح حیات پر تنقیدی' تاثراتی اور تجزیاتی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ مضمون نگاروں نے آزاد کے فکر و فن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی خدمات ادب کو سراہا ہے۔ مضمون نگاروں میں صف اول کے ادیب شامل ہیں جیسے مسعود حسین خاں' رشید حسن خاں' ڈاکٹر خلیق انجم' ڈاکٹر ظ' انصاری' ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی' ایم حبیب خاں' خواجہ غلام السیدین' سید احتشام حسین اور حنیف فوق۔ آخر میں چند مزید مشاہیر ادباء کی آزاد کے بارے میں آراء درج کی گئی ہیں' ان میں مولانا عبدالماجد دریا بادی' مالک رام' نیاز فتح پوری' رشید احمد صدیقی' ڈاکٹر یوسف حسین خاں' حکیم محمد سعید اور ڈاکٹر عابد رضا بیدار شامل ہیں۔ صف اول کے ان ادباء کے اعتراف سے اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد کا مرتبہ اردو ادب میں کس قدر بلند ہے۔

مرتب کی تنقیدی نظر کی بھی داد دینی پڑتی ہے جنہوں نے مضامین کے انتخاب میں معیار کو پیش نظر رکھا ہے۔ مذکورہ منفرد روایت پر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ' دہلی بھی مبارک باد کا مستحق ہے۔

کتاب : چند لمحات' کلام نبویؐ کی صحبت میں (انتخاب حدیث)
مرتب : خرم مراد
ناشر : منشورات' منصورہ' ملتان روڈ لاہور' 1996ء
مبصر : محمد اصغر نیازی

اس میں شک نہیں کہ تحریک اسلامی دین کے حرکی اور سیاسی تصور کی نقیب ہے' بلکہ تحریک کے نزدیک اس کے یہی دو تصور دین کے لیے سقف و اساس کی حیثیت رکھتے ہیں' اس لیے اس کی کاوشوں کا نقطہ ارتکاز بھی یہی ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ تحریک کے آرگن و ترجمان القرآن' پر یہ فارمولا حرف بحرف پورا نہیں اترتا بلکہ اس کے مطالعے سے خالصتاً" علمی اور تحقیقی' اور اب دور نو کے آغاز کے بعد دعوتی تاثر اجاگر ہوتا ہے۔ زیر نظر کتابچہ' "چند لمحات' کلام نبویؐ کی صحبت میں" رسالے کے اسی دور نو کے ایک مقبول سلسلے کی مرتب شکل ہے۔ اتنے ہی عرصے بعد ان شاء اللہ اسی طرح کا ایک اور کتابچہ قارئین کے ہاتھوں میں ہو گا اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

اگرچہ "ترجمان" کے دیگر اہتمامات پر تبصرہ سر دست ہمارے پیش نظر نہیں' ان کے فیوض و برکات سر آنکھوں پر' تاہم رسالے کے دور قدیم کی روایات اور امتیازات سے محرومی ایک بڑا زیاں ہے۔ بہرحال' اس کایا کلپ سے ترجمان کی سابقہ تحقیقی اور اجتہادی انفرادیت کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوئی ہے کیونکہ اب' بلا شک و شبہ' یہ محسوس ہوتا ہے کہ "ترجمان القرآن" بھی جماعت کا ترجمان بن گیا ہے اور بس' البتہ "چند لمحات' کلام نبویؐ کی صحبت میں" جیسے ایمان افروز سلسلوں نے دور نو کی لاج رکھ لی ہے۔ کردار سازی اور اصلاح معاشرہ پر خدا کے آخری رسولؐ کی گراں بہا ہدایات ایک مسلمان اور امت مسلمہ کے لیے تو حرف آخر ہیں ہی' غیر مسلم اور دوسری قومیں بھی "خذ ما صفا" کی روشنی میں تجرباتی طور پر ہی سہی' ان پر عمل کر کے اپنی دنیا سنوار سکتی ہیں۔ شاید اسی بہانے ان میں سے کچھ کی اگر خدا چاہے تو عاقبت بھی سنور جائے' اس لیے جناب خرم مراد سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اختیارات اور جماعت کے وسائل استعمال کرتے ہوئے اس کتابچے کے دیگر اہم زبانوں میں تراجم کا اہتمام بھی فرمائیں' نیز آئندہ جب اس مقبول سلسلے کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو حسن معاشرت اور تربیت فرد کے حوالے سے اسباق کے عنوانات

قائم کر دیئے جائیں تاکہ احادیث کی تفہیم مزید آسان ہو سکے۔ اس کے علاوہ ان اسباق کے لیے احادیث کے انتخاب میں ایک رعایت یہ بھی ملحوظ رکھی جائے کہ ادعیہ مسنونہ میں سے ایک آدھ حدیث ہر سبق میں ضرور شامل ہو۔ یوں اس سلسلے کی تاثیر اور تنویر میں بے مثال اضافہ ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زندہ تعلق قائم کرنے، اسے بحال رکھنے اور جلا بخشنے کے لیے حضور اکرم ﷺ کی دعائیں اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں کیونکہ یہ تعلق باللہ ہی ہے جو مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور زندہ رکھتا ہے۔ اور دل زندہ ہی بقول اقبال امتوں کے امراض کہنہ کا آخری اور حتمی چارہ ہے۔

"چند لمحات -----" کے بالاستیعاب مطالعے سے یہ احساس ہوا کہ ہم میں بعض چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں جن سے ہماری زندگی اپنے اور دوسروں کے لیے راحت اور سکون کا باعث ہو سکتی ہے۔ اور ہم اخلاقی فضا میں زندگی بسر کرکے ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت بن سکتے ہیں جبکہ ہم پڑھتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ کسی بھی صورت حال میں خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ کا رویہ اس میں کیا ہو گا۔ کیا جناب خرم مراد اس نہج پر رسول مقبولؐ کی احادیث اور اپنے اشارات مرتب کر سکتے ہیں کہ ہم میں ویسا ہی اخلاقی ذوق اور ملکہ دوبارہ پیدا ہو سکے۔ بلکہ اب تو بس اسی کی ضرورت ہے، قرآن و حدیث کے غوامض بھی بعض طالب علموں کے لیے بہت ضروری ہوں گے لیکن عوام کے دماغ ان مطالب عالیہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

علامہ اقبالؒ قلب میں نسبت محمدیؐ پیدا کرنے کے لیے کثرت تلاوت پر زور دیتے ہیں بلکہ ان کا احساس تو یہ ہے کہ اس نسبت کے حصول کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں۔ خلوص دل کے ساتھ محض ناظرہ تلاوت ہی کافی ہے۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے۔"

لگتا ہے اس معاملے میں فاضل مرتب علامہ اقبال سے پوری طرح متفق نہیں۔ ان کے خیال میں ہم صرف کلام نبوی کی صحبت سے اخذ فیض کر سکتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے کتابچے کا نام "چند لمحات، کلام نبویؐ کی صحبت میں" رکھا ہے۔ دراصل محدثین کرام نے رسول کریمؐ کی حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ اور گوشہ گوشہ صحابہ کرامؓ کے حوالے سے اس طرح سے محفوظ کیا ہے کہ جیسے ہم حضورؐ کے دور میں پہنچ گئے ہوں۔ جناب خرم مراد ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "شرف صحابیت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں، اور یہ اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپؐ کو آنکھوں سے دیکھے بغیر آپؐ پر ایمان لانا، آپؐ کو دیکھنے کی تمنا میں تڑپنا اور سب کچھ آپؐ پر قربان کر دینا ----- یہ وہ شرف ہے جس کے حاملین کو آپؐ نے اپنا بھائی کہا ہے۔" **بمثل ھذا فلیعمل العالمون**

---

جناب خرم مراد کی کتاب پر یہ تبصرہ ان کی وفات سے پہلے لکھا گیا۔ ادارہ ان کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین!

+ + +

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006